ماہنامہ
مجلہ
حیاتِ نو
بلریاگنج

خطرات سامنے ہیں، لادینی تحریکات
جس قوت و سرعت کے ساتھ پھیل رہی
ہیں، اور جو وسعت و عمومیت اختیار کر رہی
ہیں اور مذہب و اہل مذہب کیلئے انکی طرف سے
جو خطرہ ہے وہ اب کسی کیلئے راز نہیں اگرچہ ہمارے
دینی و علمی حلقوں میں ابھی اس خطرہ کا پورا احساس
نہیں، اور عمومی دعوت، عمومی تعلیم و تربیت اور عمومی
حرکت و جہد کی طرف کوئی توجہ نہیں

جو راز مے کدہ میں ہے اک اک زباں پر
افسوس مدرسہ میں ہے بالکل نہاں ہنوز

(مولانا ابوالحسن علی ندوی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ مجلہ

حیات نو بلریا گنج

جلد:- ۱۰ رجب شعبان ۱۴۱۴ھ جنوری، فروری ۱۹۹۴ء شمارہ:- ۱-۲

بدل اشتراک	
سالانہ زر تعاون	۵۰ روپے
طلبہ کیلئے	۴۰ " "
خصوصی زر تعاون	۱۰۰ " "
اعزازی زر تعاون	۱۰۰۰ " "
غیر ممالک سے زر تعاون	۲۵ امریکی ڈالر
قیمت فی شمارہ	۵ روپے

مدیر مسئول
نور محمد فلاحی
مدیر
محمد اسماعیل فلاحی
معاون مدیر
عبد الحی اثری فلاحی

○ اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپکی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے لہذا جلد سالانہ زر تعاون ارسال فرمائیں۔

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

ترسیل زر کا پتہ
دفتر ماہنامہ مجلہ حیات نو جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ یوپی ۲۷۶۱۲۱
فون:- ۸۶۹۰۰
نشاط آفسیٹ پریس ٹانڈہ۔ کتابت:- محمد اشفاق عالم مفتاحی
دفتر حیات نو جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ [illegible]

حلقہ یاراں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکرمی و محترمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

خدا کرے آپ سب لوگ ہر نوع بخیر ہوں۔

عنایت نامہ مورخہ ۲۰/۱۱/۹۳ء مجھ کو ۲۴/۱۲/۹۳ء کو ملا، اس کے بعد "حیات نو" کا مطلوبہ شمارہ دسمبر ۱۹۹۳ء، ۲۰/۱۲/۹۳ء کو وصول ہوا، عنایات کا بہت بہت شکریہ۔

رسالہ بڑے شوق سے کھولا اور پڑھنا شروع کیا، سب سے پہلے "اداریہ" سامنے آیا اور طبیعت مرجھا کر رہ گئی، اس خبر سے کہ "فیض الرب" بحری سفر کے ذریعہ اپنے رب سے جا ملے، دل کو بڑا دھچکا لگا، نوخیز مرحوم کو ابھی رہنا تھا، دین کی خدمت کے لئے آگے بڑھنا تھا اور اس کی لو کو تیز تر کرنا تھا، مگر اللہ کو یہیں تک منظور تھا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ ڈوبنے والے کو اپنی آغوش رحمت میں جگہ دے اور کروٹ کروٹ اسے راحت بخشے آمین۔ اسکی مصلحت، وہی جانے ـــ

"کیا دخل ہے مشیت پروردگار میں"؟

آگے بڑھا، بغور توجہ مطلوب ہے "پر" کا، یہاں میں اتنا ضرور عرض کروں گا کہ جب سے "دینی مدارس نے عصری دوڑ میں، آگے بڑھنے کے شوق میں" "اپنی سندیں" سرکاری یونیورسٹیوں سے منظور کرائی ہیں، ان کا معیار تعلیم، آہستہ آہستہ گرتا جا رہا ہے اور دینی تخصص اسی رفتار سے ختم ہوتا جا رہا ہے، جن کو شبہہ ہو، وہ رخت سفر باندھ کر زحمت سفر اٹھائیں اور علی گڑھ یونیورسٹی اور جامعہ ملیہ دہلی پہنچ جائیں، پھر اجنبی بنکر، "فارغین" سے ملیں، تب انکو اندازہ ہوگا کہ کیا چاہا تھا اور کیا ہوا؟

"فتاوی" بڑے کام کا مضمون ہے، بالخصوص، ہم جیسے کم علموں کیلئے، آخر میں، ایک ہلکی سی گذارش اور ہے، صفحہ ۲۰ سطر ۱۰ پر "نذر" کے بجائے "نظر" درج ہے جو صحیح نہیں، اچھا اب اجازت۔

جملہ پرسان حال کی خدمت میں، حسب مرتبہ، سلام و دعا عرض ہے۔ والسلام طالب خیر

عبد الرحمن ناصر اصلاحی جامعی

نقوش حیات نو

صفحہ

○ اداریہ

دامن کو ذرا دیکھ ...... محمد اسمٰعیل فلاحی ۳

○ بحث ونظر

اساس علی دین ملوکہم ڈاکٹر محمد نذیر مسلم ۸

سرسید احمد خاں کا مطالعہ عقیدہ تحقیقات ڈاکٹر محمد صلاح الدین عمری ۱۲

روزہ بے اثر کیوں؟ عبد ابرار ثری اصلاحی ۲۶

○ سیر و سوانح

ابن واقد ـــ اندلس کا ایک ممتاز طبیب حکیم وسیم احمد اعظمی ۴۰

○ لکھ رہا ہوں جنوں ....

بڑے بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے ابو السان نقوی ۴۴

○ خطبات

بہی تھوڑی سی مے ہے ..... (خطبہ استقبالیہ) اکرام الرحمٰن ۵۸

○ شعر و نغمہ

حمد، غزلیں ادریس ضیا، اختر ابراہیم، شمسی، آزاد ۳۹، ۲۵، ۲۸، ۵۰

○ اخبار علمیہ ۶۳

عربی اصطلاحات کی لغت، قرآن کا منظوم اردو ترجمہ مشتاق احمد فلاحی

○ وفیات محمد اسمٰعیل فلاحی ۶۵

مولانا عبید اللہ صاحب مبارکپوریؒ، مولانا حبیب اللہ صاحب لاری ندویؒ، محترمہ جویریہ خاتون صاحبہ

○ جامعہ کے لیل و نہار ۶۹

نتیجہ امتحان، تحریری ٹریننگ کیمپ، ماہانہ امتحان، انتظامیہ کا اجلاس۔ محمد اسمٰعیل فلاحی

○ حلقہ یاراں

بہی خواہان جامعہ کی خدمت میں عبدالرحمٰن ناصر اصلاحی، حاجی عبد المتین ۷۱

محمد اسمٰعیل فلاحی

دامن کو ذرا دیکھ......

دیکھتے دیکھتے مدارس دینیہ کا یہ تعلیمی سال بھی ختم ہوا۔ طلبہ امتحان کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ اس موقع پر آیئے جائزہ لیں کہ مدارس دینیہ کی شکل میں ملت کی یہ امانت اور اسلام کے یہ قلعے جن کے ہم امین اور پاسبان بنائے گئے ہیں، ان کے ساتھ ہمارا رویہ کیا رہا؟ ہم نے کہاں تک اس امانت اور اس کی پاسبانی کا حق ادا کیا اور کس حد تک اس کے تقدس کو پامال ہونے سے محفوظ رکھ سکے؟ یہ مدارس اللہ تعالیٰ کی عظیم امانت ہیں اور ان کے سلسلہ میں ہم اللہ تعالیٰ کے یہاں جواب دہ ہیں۔ اس جواب دہی سے پہلے ہمیں اپنا جائزہ لے لینا چاہیے۔ اس دن چوں وچرا کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی اور نہ نیت وعمل کا کوئی موقع۔ ہماری کتاب زندگی ہمارے ہاتھوں میں ہوگی، اور کہا جائے گا۔

اقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا — پڑھو تم اپنی کتاب حیات۔ تم کافی ہو آج اپنا حساب لینے کے لئے۔

(بنی اسرائیل ۲)

اس نامہ اعمال کو دیکھ کر انسان گھبراہٹ سے کہے گا۔

وَيَقُولُونَ يَا وَيْلَتَنَا مَالِ هَٰذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا (الکہف ۶) — مجرمین کہیں گے ہائے ہماری تباہی کیسی ہے یہ کتاب حیات کہ چھوٹی غلطی ہو یا بڑی سب اس نے محفوظ کر رکھا ہے۔

اور یہ وہ دن ہوگا کہ اعمال کا صرف ظاہر ہی نہیں دیکھا جائے گا بلکہ ان کے پیچھے کارفرما محرکات اور نیتوں کا بھی جائزہ لیا جائے گا۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک عمل ظاہر میں بڑا نیک اور نہایت پسندیدہ ہوتا ہے لیکن اس کی تہہ میں اترئیے اور نیتوں کو ٹٹولیے تو ریاکاری آنے لگتی ہے۔ اسی لئے ظاہری عمل ہی کو نہیں نیتوں کو بھی دیکھا جائے گا۔

يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ — جس دن پوشیدہ نیتیں پرکھی جائیں گی

(الطارق ۹)

أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُورِ ۔ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ إِنَّ رَبَّهُم بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ

کیا وہ نہیں جانتا اس وقت کو جب کہ اگلوا لیا جائیگا جو کچھ قبروں میں ہے اور نکلوا لیا جائیگا جو کچھ سینوں میں ہے بے شک اس روز ان کا رب ان سے اچھی طرح باخبر ہوگا۔

(العادیات ۹-۱۱)

یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے۔

حَاسِبُوا قَبْلَ أَنْ تُحَاسَبُوا — اپنا محاسبہ کرو قبل اسکے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے۔

ہماری کئی حیثیتیں ہیں۔ اور ان کے لحاظ سے تعلق کی نوعیت اور ذمہ داریوں میں فرق ہے، مثلاً کچھ طلبہ ہیں اور بعض ان کے اساتذہ اور ذمہ داران کچھ طلبہ کے سرپرست ہیں اور بقیہ ملت کے عام افراد ہیں۔ سب کی ذمہ داریاں اور فرائض الگ الگ ہیں اور ساتھ ہی سب کے حقوق بھی جدا جدا۔ بدقسمتی سے ہوتا یہ ہے کہ حقوق سب حاصل کرنا چاہتے ہیں لیکن فرائض سے کترا کر اور ذمہ داریوں سے پہلو تہی کرکے۔ اپنے لئے زیادہ سے زیادہ آسانیاں اور سہولتیں سب چاہتے ہیں لیکن دوسروں کو رعایت دینا کسی کو گوارہ نہیں۔ دوسروں کی آنکھوں کے تنکے تو سب دیکھ لیتے ہیں لیکن اپنی آنکھ کا شہتیر کسی کو سجھائی نہیں دیتا۔ صحیح روش یہ ہے کہ دوسروں سے زیادہ اپنے اوپر نگاہ ڈالی جائے۔ حقوق مانگنے سے بڑھ کر حقوق ادا کرنے کی فکر ہو۔ نبیؐ نے ارشاد فرمایا ہے حضرت انسؓ سے روایت ہے۔

طُوبَىٰ لِمَنْ شَغَلَهُ عَيْبُهُ عَنْ عُيُوبِ النَّاسِ ۔ — خوش نصیب ہے وہ جو دوسروں کے بجائے اپنے عیوب کی اصلاح میں مشغول رہا۔

(اخرجہ باسناد حسن۔ مجمع الزوائد ۲۲۹)

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنی خبر رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا۔

لہٰذا آج ہمیں اسی پہلو سے اپنا جائزہ لینا ہے۔ اگر ہم طالب علم ہیں تو ہمارے سوچنے کا انداز یہ ہو سکتا ہے کہ ہم نے تعلیم حاصل کرنے کے آداب کس حد تک ملحوظ رکھے؟ ہمارا وقت ضائع تو نہیں گیا؟ ہم مطالعہ کرکے درجات میں گئے؟ درجات کے علاوہ ذہنی، فکری اور جسمانی ارتقاء کے دوسرے پروگراموں سے کس حد تک استفادہ کیا؟ اساتذہ کے احترام میں کوتاہی تو نہیں ہوئی؟ ہمارے کسی ساتھی کو ہم سے تکلیف تو نہیں پہونچی؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ مدرسہ کے ضوابط ہم نے توڑے ہوں یا ہمارے کسی رویہ سے اس سرزمین کی حرمت پر بٹہ لگا ہو؟

اساتذہ کو یوں احتساب کرنا چاہئے کہ یہ ان کھلی کلیاں جو ان کے حوالہ کی گئی ہیں، ان کو نکھارنے مہکانے اور کھلنے کا موقع فراہم کرنے میں کس احساس ذمہ داری کا انہوں نے ثبوت دیا؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ ان کی غفلت اور بے توجہی سے ان کی پژمردگی اور اضمحلال کا وہ سبب بن گئے ہوں؟ کیا وہ درجوں میں اسباق کی تیاری کے بعد گئے اور ان کی وجہ سے تعلیم کا معیار گھٹا یا بڑھا؟ انہوں نے طلبہ کو مہمانِ رسول سمجھا اور ان سے انصاف، محبت اور شفقت پدری کا معاملہ کیا؟ طلبہ کو کبھی تکلیف میں دیکھ کر ان کی آنکھوں میں آنسو بھی آئے؟ ایک مسلمان استاذ معلم ہونے کیساتھ ساتھ مربی بھی ہوتا ہے۔ تربیت کے ضمن میں ان سے کوتاہی تو نہیں ہوئی؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ ان کی بے کرداری ان معصوموں کے لوحِ سادہ پر غلط نقوش مرتسم کر رہی ہو؟ یہ بھی چیز غور کرنے کی ہے کہ ان کا اساتذہ برادری اور اپنے ذمہ داروں سے کیا انداز رہتا ہے؟

اسی طرح طلبہ کے سرپرست یوں سوچ سکتے ہیں کہ انہوں نے مدرسہ اور اس کے ذمہ داروں کا کس حد تک تعاون کیا؟ اپنے گھریلو ماحول کو مدرسہ کے ماحول سے ہم آہنگ کرنے کے لئے کہاں تک کوشش کی؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ انکی وجہ سے مدرسہ کے نظم و نسق میں کبھی خلل پڑا ہو؟ کبھی ایسا تو نہیں ہوا کہ ان کی سستی اور بچوں سے بے جا لاڈ پیار کی وجہ سے مدرسہ کی ضابطہ شکنی ہوئی ہو؟

ذمہ دارانِ مدارس کے لئے اپنے جائزہ کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ وہ دیکھیں کہ

انہوں نے اپنا فرض کس حد تک نبھایا؟ مدرسہ کی ضروریات پوری کرنے اور اساتذہ اور طلبہ کے لیے سہولتوں کی فراہمی میں ان کے اندر کتنی بےچینی پائی گئی؟ کیا انہیں طلبہ و اساتذہ کی ایسی ہی فکر ہے جیسی اپنے گھر والوں کے لئے ہوتی ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ ان کی بے توجہی سستی اور تساہلی کی وجہ سے طلبہ، اساتذہ یا دیگر کارکنوں کا استحصال ہو رہا ہو؟

ملت کے عام افراد یوں جائزہ لے سکتے ہیں کہ وہ ان مدارس میں اپنے ذہین و فطین بلند حوصلہ اور صالح بچوں کو دیتے ہیں یا شریر، معذور، اور کند ذہن بچوں کو؟ انہیں یہ سوچنا چاہئے کہ وہ مدارس کی ضروریات کی تکمیل میں کس حد تک حصہ لے رہے ہیں؟ مدرسہ کے اساتذہ رسید اور بیگ لے ان کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں یا وہ خود مدارس کا حصہ مدارس میں پہنچا دیتے ہیں؟ یہ پہلو بھی غور و فکر کا طالب ہے کہ کسی مولوی کے ساتھ معاملہ کرنے میں کیا انداز ہوتا ہے اور کسی ماسٹر کے ساتھ کیا؟

اس طرح ہر شخص اپنی جگہ اپنے گریبان میں اپنا منہ ڈالے، دل کے نہاں خانوں میں جھانک کر دیکھے اور اپنا دقتِ نظر سے مطالعہ کرے کہ کہیں اس کے اندر کوئی چور تو نہیں چھپا ہے، جہاں کہیں اسے کوتاہی، کمزوری اور زیادتی نظر آئے، اللہ سے معافی مانگے اور آئندہ کے لئے طے کرے کہ اب وہ اس کی تلافی کرے گا۔ اس طرح اگر سب نے اپنا جائزہ لیا اور بے لاگ احتساب کیا تو امید ہے کہ مدارس کا وہ درخشندہ اور تابندہ کردار جو ماضی کے دھندلکے میں چھپ گیا ہے پھر ظاہر ہو۔

ڈاکٹر محمد نذیر مسلم صاحب

النّاسُ علیٰ دِینِ مُلوکِہِم

النّاس علیٰ دین ملوکہم ایک پرانا مقولہ ہے، مگر یہ اپنی معنویت کے اعتبار سے اس دور میں بھی اتنا ہی نیا ہے، جتنا آج سے ہزاروں سال پہلے تھا، کیونکہ فطرت انسانی ہر دور اور ہر زمانے میں ایک ہی رہی ہے۔

تاریخ عالم کا مطالعہ کرنے سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ ہر دور اور ہر زمانے میں قوم کی اکثریت نے ہمیشہ انہیں باتوں کو حق مانا جنہیں ملک کے ارباب اقتدار اور ذی علم اشخاص نے حق قرار دیا اور انہیں باتوں کو باطل سمجھا جنہیں قوم کے باوقار لوگوں نے باطل ٹھہرایا۔ ایک چیز اگرچہ ملک و ملت کے حق میں زہر ہلاہل سے زیادہ قاتل اور نقصاندہ تھی مگر جونہی قوم کے ناخداؤں نے اسے تریاق کہہ کر پکارا تو پوری کی پوری قوم اسے تریاق سمجھ کر اس پر ٹوٹ پڑی۔ ٹھیک اسی طرح ایک دوسری چیز اگرچہ قوم کے حق میں تریاق کا حکم رکھتی ہے، مگر جب اسے قوم کے نام نہاد خیرخواہوں نے اپنی خواہشات کے خلاف پایا تو انہوں نے اسے ملت کے حق میں زہر قاتل قرار دیدیا اور تمام کی تمام قوم بلا ادنیٰ تحقیق اسے زہر کہہ کر ٹھکرانے لگی۔

یہ سارا قصہ اس لئے پیش آتا ہے کہ دراصل عوام ذہنی لحاظ سے اتنے بلند نہیں ہوتے کہ وہ اپنے لئے زندگی کی راہیں خود متعین کریں۔ ان کی نگاہیں اتنی دوررس نہیں ہوتیں کہ وہ اپنے برے بھلے کی خود تمیز کر سکیں وہ علمی لحاظ سے اتنے فائق نہیں ہوتے کہ وہ اپنے نفع و نقصان کو از خود سوچ سکیں بلکہ زندگی کی راہیں متعین کرنے، اپنے برے بھلے کو سمجھنے اور نفع و نقصان کے تعین کے معاملہ میں ان کے ذہن قوم کے ایسے افراد کی غلامی میں مقید ہوتے ہیں جنہیں وہ مادی اور علمی لحاظ سے فائق سمجھتے ہیں۔ اسی لئے کسی قسم کے اخلاق اور کردار کو بنانے اور بگاڑنے میں ان لوگوں کو بڑا دخل حاصل ہوتا ہے

جن کے ہاتھ میں کسی ملک کی زمام اقتدار ہو، جو ملک کی مادی طاقتوں اور وسائل پر قبضہ کئے ہوئے ہوں اور جن کی رہنمائی میں قوم کے علمی ادارے چل رہے ہوں۔ اسی بنا پر ہم دیکھتے ہیں کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اولین مخاطب وہ ہی لوگ ہوتے تھے جو قوم میں مادی علمی اور ذہنی لحاظ سے ممتاز مانے جاتے تھے۔

سیدنا نوح، ہود، صالح، شعیب، ابراہیم اور موسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت پر غور کیا جائے تو صاف طور پر معلوم ہوجاتا ہے کہ ان کی دعوت کا انکار کرنے والے ہر زمانے کے ارباب کار ہی تھے جس سے یہ بات پوری طرح واضح ہوجاتی ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے سب سے پہلے قوم کے ذی اثر طبقے اور ارباب کار ہی کو خطاب کیا ہے۔

قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝

(نوح سے) اس کی قوم کے سرداروں نے کہا ہم تجھے کھلی گمراہی میں مبتلا پاتے ہیں۔

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝

(ہود سے) اسکی قوم کے ان سرداروں نے جنہوں نے کفر اختیار کیا تھا کہا ہم تجھے بیوقوفی میں مبتلا سمجھتے ہیں اور تجھے جھوٹوں میں سے گمان کرتے ہیں۔

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِمَنْ آمَنَ مِنْهُمْ أَتَعْلَمُونَ أَنَّ صَالِحًا مُرْسَلٌ مِنْ رَبِّهِ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلَ بِهِ مُؤْمِنُونَ ۝

(صالح) کی قوم کے متکبر سرداروں نے ان کمزور لوگوں سے جو ایمان لائے تھے کہا کیا تمہارا خیال ہے کہ صالح اپنے رب کی طرف سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے، انہوں نے جواب دیا جو چیز وہ دے کر بھیجا گیا ہے ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں۔

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لَنُخْرِجَنَّكَ يَا شُعَيْبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَا

(الاعراف)

اسکی قوم کے مغرور سرداروں نے کہا اے شعیب ہم تجھے اور تجھ پر ایمان لانے والوں کو اپنی بستی سے نکال باہر کریں گے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ ۔

(البقرہ)

کیا تو نے اس شخص کا حال دیکھا جو ابراہیم سے اسکے رب کے بارے میں جھگڑتا تھا (دراں حالانکہ) اللہ نے اسے حکومت دی تھی۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ

پھر ہم نے ان سب کے بعد موسیٰ کو اپنی آیات دیکر فرعون اور اسکے امراء کی طرف بھیجا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کیجئے آپ مکہ کے ایک سردار کے سامنے اپنی دعوت پیش کرتے ہیں۔ حج کے موقع پر بیرونی قبائل کے ہر ذی اثر آدمی سے ملتے ہیں۔ طائف کا سفر اختیار کرتے ہیں تو سب سے پہلے طائف کے تین اکابر ہی سے ملاقات کی جاتی ہے اور یہی وہ نکتہ تھا جس کو پیش نظر رکھتے ہوئے آنحضرتؐ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ وہ عمر بن خطاب کو دولت ایمانی سے مالا مال کردے۔ اس سلسلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ خطوط بھی خاص اہمیت رکھتے ہیں جو آپ نے قیصر وکسریٰ کے نام تحریر فرمائے۔

حضور علیہ التحیہ والتسلیم قیصر شاہ روم کو لکھتے ہیں۔

إِنِّي أَدْعُوكَ بِدِعَايَةِ الْإِسْلَامِ أَسْلِمْ تَسْلَمْ يُؤْتِكَ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ فَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَإِنَّ عَلَيْكَ إِثْمَ الْأَرِيسِيِّينَ

میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اگر تو اسلام لے آئے تو سلامت رہے گا اور خدا تجھے دوگنا اجر عنایت فرمائیگا اور اگر تو نے انکار کیا تو کاشتکاروں کا گناہ تیرے ذمے ہوگا۔

خسرو پرویز شاہ ایران کو ان الفاظ میں متنبہ فرمایا۔

أَسْلِمْ تَسْلَمْ فَإِنْ أَبَيْتَ فَعَلَيْكَ إِثْمُ الْمَجُوسِ ۔

اسلام لے آ تو سلامت رہے گا، ورنہ مجوسیوں کی گمراہی کا وبال تیری گردن پر ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قیصر وکسریٰ کو عوام الناس کی گمراہی کا ذمہ دار ٹھہرانا اسی حقیقت پر مبنی ہے کہ ان کے ایمان لانے سے قوم کی اکثریت کا ایمان لے آنا ایک

یقینی امر ہے اور ان کے انکار سے پوری قوم کا انکار ایک واضح حقیقت ہے۔

چنانچہ تاریخ کے سرسری مطالعہ سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آجاتی ہے کہ ہر دور میں مختلف حکمرانوں کے مزاج اور عمل کے اختلاف کی بنا پر عوام کی پسند اور ناپسند کے معیار بدلتے رہتے ہیں۔ چنانچہ بنی امیہ کی عہد حکومت کے متعلق ایک راوی کا بیان ہے کہ

"جب ولید تخت پر بیٹھا تو چونکہ وہ عمارات وغیرہ کا بانی تھا اس لئے لوگ اس کے زمانے میں جب باہم ملتے تو صرف عمارات ہی کا حال پوچھتے۔"

اور جب سلیمان تخت پر بیٹھا تو لوگوں کی حالت بدل گئی — "وہ کھانے والا اور نکاح والا بادشاہ تھا اس لئے اس کے عہد میں لوگ صرف شادی اور لونڈیوں کا پرچار کرتے۔"

مگر جب اس کے بعد عمر بن عبدالعزیز تخت خلافت پر جلوہ افروز ہوئے۔ یہ سارے رنگ پھیکے پڑ گئے اور لوگ خدا اور رسول کی باتوں میں لگ گئے۔ راوی کہتا ہے کہ

جب وہ (عمر بن عبدالعزیز) خلیفہ ہوئے تو باہمی ملاقات میں ایک شخص دوسرے سے کہتا کہ رات تم کون سا وظیفہ پڑھتے ہو؟ تم نے کتنا قرآن یاد کیا؟ تم قرآن کب ختم کرو گے؟ اور تم مہینے میں کتنے روزے رکھتے ہو؟ (سیرت عمر بن عبدالعزیز)

اسی حقیقت کو حضرت عمر فاروقؓ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:۔

"لوگ اس وقت تک اپنی سیدھی راہ پر قائم رہیں گے جب تک ان کے حاکم اور رہنما سیدھے راستے پر رہیں گے۔

اسی بات کو آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کو اپنے ایک نامہ کے ذریعے اس طرح سمجھایا۔

"سب سے زیادہ خوش قسمت حاکم وہ ہے جس کے سبب سے اس کی رعایا خوش حال ہو اور سب سے زیادہ بدبخت حاکم وہ ہے جس کے سبب سے اسکی رعایا بدحال ہو۔ تم اپنے کو ٹیڑھ سے بچاؤ تاکہ تمہارے ماتحت ٹیڑھا اختیار نہ کریں۔

یہ اسلامی حکومت کے امیر اور اس کے ماتحت امراء کی دیانت داری ہی کا اثر تھا کہ جب مسلمانوں نے قادسیہ کو فتح کیا تو اپنے سپہ سالار کے سامنے چاندی اور جواہرات کے ڈھیر لاکر رکھ دیئے۔ سپہ سالار فوج حضرت سعد جب اپنے سامنے قیمتی ساز و سامان کے جگمگاتے

ہوئے ڈھیر دیکھے تو انہیں اپنی فوج کی دیانت پر حیرت ہو رہی تھی وہ بار بار تعجب کرتے اور کہتے تھے۔

جن لوگوں نے ایسی قیمتی چیزوں کو ہاتھ نہیں لگایا بلاشبہ وہ انتہائی درجہ کے دیانتدار ہیں۔ (الفاروق)

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ساز و سامان پر ایک نظر ڈالی تو بے ساختہ ان کی زبان سے نکل گیا۔ جن لوگوں نے یہ سامان حاضر کر دیا ہے وہ بلاشبہ دیانت دار لوگ ہیں۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "امیر المومنین آپ خود دیانت دار ہیں، اس لئے آپ کی رعایا بھی دیانت دار ہے۔ اگر آپ خود بددیانت ہوتے تو لوگ بھی بددیانتی کرتے" (اسلامی ریاست)

فتح مدائن کے موقع پر مسلمانوں کو اتنا قیمتی ساز و سامان ہاتھ لگا کہ جس کا بیان کرنا مشکل ہے مگر پوری فوج میں سے ایک سپاہی بھی ایسا نہ تھا کہ جس کی دیانت پر شبہ کیا جا سکتا۔ سپہ سالار فوج نے متاثر ہو کر کہا۔

اگر اہل بدر کی شان میں وہ کچھ نہ کہا گیا ہے تو میں یہ کہتا کہ ان لوگوں کو اہل بدر کی فضیلت حاصل ہو گئی۔ (تاریخ الخلفاء)

حقیقت یہ ہے کہ امانت و دیانت کی جو صفات امیر المومنین اور ان کے ماتحت حکام میں موجود تھیں وہی پوری قوم کے رگ و پے میں سرایت کر گئیں اور جس طرح خدا کا خوف آخرت کی جواب دہی کا احساس اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ امراء میں موجود تھا وہی عوام کی گھٹی میں سما گیا۔

امراء اور اراکین سلطنت کی عملی زندگی کے انہیں تاثرات کی بنا پر اسلامی حکومت کے چلانے کیلئے ایسے کارکنوں کو چنا جاتا تھا جن کی اپنی زندگی اس نظام کی عملی تفسیر ہو جسے جاری کرنے کیلئے اسلامی ریاست وجود میں آتی ہے۔ تاکہ ان لوگوں کے اخلاق کردار اور اعمال کا اثر عوام پر پڑے اور تمام کی تمام رعایا اسلام کے اصول اخلاق، دیانت، شرافت اور تہذیب کا عملی نمونہ بن جائے۔

دنیا کی زندہ قومیں تاریخ کے اٹل واقعات اور زندہ حقیقتوں سے سبق لیتی ہیں مگر زندگی کی مردہ قومیں ان واقعات کو اس طرح نظر انداز کر دیتی ہیں جس طرح ایک اندھا کسی پر عبرت ماحول سے لاپرواہ گزر جاتا ہے اور یہی انکی بے توجہی انکے لئے سامان موت بنتی ہے۔

(ماخوذ المنیر لائل پور)

ڈاکٹر محمد صلاح الدین عمری

سرسید احمد خاں کا مطالعہ عیسائیت

برطانوی ہندوستان میں عیسائیوں کے ساتھ مسلمانوں کا تعامل ایک اہم اور دلچسپ موضوع ہے جس پر علماء اور محققین کو نئے سرے سے توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اس دور میں ایسے علماء کی بڑی تعداد نظر آتی ہے جس نے انگریزی طرز معاشرت اختیار کرنے اور ان سے کسی قسم کا تعامل کرنے سے سختی سے گریز کیا۔ اس طرح کی مصلحانہ و مزاحمتی کوششوں میں شاہ عبدالعزیز دہلوی (۱۷۴۶ء — ۱۸۲۴ء) سے لیکر مولانا محمد قاسم نانوتوی (۱۸۳۲ء — ۱۸۸۰ء) تک علماء و مصلحین کی ایک کہکشاں جگمگ کرتی نظر آتی ہے لیکن دوسری طرف ایسے علماء کی بھی ایک قابل ذکر تعداد موجود ہے جس نے مزاحمت و مخالفت کی جگہ مصالحت اور تعاون کی حکمت عملی اپنائی اور اخلاص و دردمندی سے اجنبی قوم کے ساتھ مل کر قومی خدمت میں حصہ لیا۔ اس دوسرے گروہ میں مولانا فضل امام خیرآبادی (متوفی ۱۸۲۹ء) مفتی صدرالدین آزردہ (۱۷۸۹ء — ۱۸۶۳ء) مولانا مملوک علی (متوفی ۱۸۵۱ء) مولانا عبدالقادر رام پوری (۱۷۸۰ء — ۱۸۴۹ء) اور مولانا فضل حق خیرآبادی (۱۷۹۷ء — ۱۸۶۱ء) وغیرہ کے نام شمار کئے جاسکتے ہیں سرسید احمد خاں (۱۸۱۷ء — ۱۸۹۸ء) کا تعلق ہندوستانی قوم کے اسی دوسرے گروہ سے تھا۔

برطانوی ہندوستان کے مصالحتی و مفاہمتی لٹریچر میں سرسید احمد خاں کی تصنیف "تبیین الکلام" بہت مشہور ہے۔ جس میں انجیل کی ایسی تعبیر و تشریح کی گئی ہے جو دونوں گروہوں کو ایک دوسرے سے قریب کرسکے، اور دونوں مذاہب کے معتقدین کے دلوں میں مذہب کی بنیاد پر جو کدورتیں اور غلط فہمیاں پائی جاتی تھیں انہیں ختم کرکے افہام و تفہیم کی راہ ہموار کرسکے۔ سرسید کی یہ مشہور تصنیف دو حصوں پر مشتمل ہے اسکی پہلی جلد پر فاضل مضمون نگار کا تجزیہ ماہنامہ زندگی نو، نئی دہلی کے فروری ۱۹۹۹ء کے شمارہ میں شائع ہوچکا ہے جس میں پوری بحث کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ فروعیات پر اتحاد کی عمارت کھڑی نہیں کی جاسکتی۔ یہودی و عیسائی

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے قائل نہیں ہیں نہ قرآن کو آخری کتاب الٰہی ماننے کیلئے تیار ہیں اس پر مستزاد یہ کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پوری انسانی تاریخ میں ان کی ہر چہار طرف سے یلغار اور یورش ہے اور آج پوری دنیا میں جبکہ اسلامی بیداری کے آثار نظر آرہے ہیں ان مذاہب کے نام نہاد علمبرداروں کی راتوں کی نیندیں حرام ہوگئی ہیں، ایسی صورت میں اتحاد اور تفاہم کی راہ کس طرح ہموار ہوسکتی ہے۔ تبیین الکلام کی دوسری جلد پر مضمون نگار کا تجزیہ درج ذیل ہے۔

مدیر

دوسری جلد میں سرسید نے تفسیر شروع کرنے سے قبل عہد عتیق کی کتابوں نیز توریت کی تاریخ اس کی صحت اور اس پر اعتراضات کا جائزہ لیتے ہوئے مفصل بحث کی ہے۔ توریت کی تاریخ اور اس کا حضرت موسیٰ کے ذریعہ لکھے جانے پھر اس کو قبۃ الفحان میں رکھنے وغیرہ کی تفصیل HORN INTRODUCTION اور DOHLY AND MANT INTRODUCTION کے حوالوں سے لکھی ہے۔ اسی ضمن میں ۵۸۸ ق م میں بخت نصر کے ذریعہ بیت المقدس کو جلائے جانے کا تذکرہ بھی کیا ہے اور مسیحی علماء سے اتفاق کرتے ہوئے اسی خیال کا اظہار کیا ہے کہ اس حادثہ میں سارے قلمی نسخے نہیں جلے۔ مزید ایسے امکانات کی نشاندہی بھی کی ہے جن کی رو سے توریت کی بہت سی نقلیں موجود ہونے کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ پھر مصنف، عیسائی علماء کے ان بیانات کو مسلمانوں کے مذہب کے مطابق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ علاوہ اس کے کہ بیت المقدس کے جلنے کے بعد اس کا کوئی نسخہ باقی رہا یا نہیں، اس کا کوئی ثبوت مسلمانوں کی مذہبی کتابوں سے نہیں ملتا، باقی سارے بیانات سے ہم متفق ہیں۔ آگے اور لکھتے ہیں کہ مگر یہ ثابت ہے کہ حضرت عزیر نے اس کو دوبارہ لکھا۔ مصنف، امام رازی کی تفسیر سے ایک اقتباس نقل کرتے ہیں جس میں ابن عباسؓ سے منقول یہ روایت ذکر کی گئی ہے کہ حضرت عزیر نے اللہ کے سامنے عاجزی و انکساری کی تو اللہ نے ان کے دل کو توریت یاد دلادی۔ اسی میں حضرت عزیر کو اللہ کا بیٹا کہے جانے کی بات بھی کہی گئی ہے۔ اس کے بعد کلبی کا قول نقل کیا ہے کہ بخت نصر نے علماء کو قتل کرڈالا اور توریت جاننے والا کوئی باقی نہ رہا۔ سدی نے بھی

بیان کیا ہے کہ عمالقہ نے یہودیوں کو قتل کر ڈالا اور ان میں توریت جاننے والا کوئی باقی نہ رہا!
یہاں سر سید نے اس روایت کے ترجمہ میں تھوڑا سا اضافہ کرکے غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے کہ کلبی اور سدی کے اقوال میں کہیں بھی یہ نہیں کہ اللہ نے حضرت عزیر کو توریت یاد دلائی لیکن انہوں نے دونوں اقوال کے ترجموں میں یہ بات بڑھا دی ہے۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۴-۱۵)

اس کی بحث کے ضمن میں حضرت عزیر کو سر سید نے "مسلمانوں کے مذہب کے مطابق نبی" تسلیم کیا ہے۔ حالانکہ عزیر ۴۵۰ ق م کے ایک یہودی عالم ہیں جن کو یہودی اپنا مجدد مانتے ہیں[1]۔ مصنف توریت کو اصل مانتے ہوئے اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ پیغمبر خدا کے وقت میں اگرچہ یہودیوں کو تحریف کا تو الزام دیا گیا لیکن توریت کے اصل نہ ہونے کا الزام نہیں دیا گیا۔ توریت کی صحت پر شک کرنے والوں کے جوابات دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک چونکہ حضرت عزیر نے اس کو لکھا تھا اس لئے وہ ضمیر غائب میں ہے۔ اور انصاف تو یہ ہے کہ توریت پر شک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ مصنف اعتراضات کے جوابات میں نہ تو کوئی دلیل دیتے ہیں اور نہ کسی قسم کی بحث کرتے ہیں۔ بس اس پر شک کی گنجائش نہ ہونے کا فیصلہ کرکے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ (صفحہ ۱۹-۲۰)

اس کے بعد MR HORN INTRODUCTION کے حوالہ سے کتاب پیدائش کے زمانہ تحریر پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کے بیانات ایسے ہیں جو بغیر الہام کے ممکن نہیں اور قرآن کے بیانات سے مطابق ہیں۔ اور کسی حد تک وہ ہارن صاحب کے اس مشورہ پر عمل پیرا ہیں کہ ان بیانات کو تمثیل سمجھنے سے خاصی پریشانی کا سامنا ہوگا (صفحہ ۲۸-۲۹)۔ وہ یہ اعتراف بھی کرتے ہیں کہ ہم مسلمان ہارن صاحب کے بالکل طرفدار ہیں۔ اور یہ خیال کرنا کہ حضرت موسی علیہ السلام یا حضرت عزیر نے یہ جھوٹا قصہ اپنی طرف سے بنا دیا ہے، ہمارے مذہب میں کفر ہے۔ لیکن ہم اس بات سے متفق نہیں کہ وہ سرے سے کسی مقام کو تمثیلی مراد لینا جائز نہیں سمجھتے۔ بلکہ ہمارے یہاں قاعدہ یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکتا ہے لفظ سے اس کے اصلی اور حقیقی معنی مراد لیتے ہیں جس کو ہم مجاز یا استعارہ Meta Phorical

---

[1] دیکھئے تفہیم القرآن از مولانا مودودیؒ

کہتے ہیں۔ وہاں تمثیلی معنی مراد لیتے ہیں۔ خواہ وہ دلیل اسی مقام پر موجود ہو یا کسی اور دوسری جگہ۔ (ص ۳۰، ۳۱)

اس کے بعد نفس موضوع یعنی حضرت موسی علیہ السلام کی پانچ کتابوں (پیدائش، خروج، احبار، اعداد اور استثنا) میں سے پہلی کتاب "پیدائش" کی تفسیر، مسیحی و یہودی علماء اور قرآن و حدیث میں مطابقت پیدا کرتے ہوئے لکھی ہے۔ مثلاً لفظ الرحیم ELOHIM جو اللہ کا اسم ذات نہیں بلکہ اسماء صفات میں سے ہے۔ کے سلسلہ میں یہودی علماء کے اس نکتہ کو کہ اللہ نے اپنا کلام اسم ذات سے نہ شروع کرکے اسم صفت سے اس لئے شروع کیا کہ اسم ذات کا مقتضی جلال و عدالت ہے اور اگر ابتدا اس سے شروع کی گئی تو آباد نہ رہے گی، لہذا اسم صفت۔ جس کا مقتضی رحمت ہے سے شروع کیا، مشکوٰۃ کی اس حدیث کے مطابق بتاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے تمام مخلوقات پیدا کرنے سے پہلے یہ بات لکھی ہے کہ میری رحمت میرے غضب سے آگے بڑھی ہوئی ہے"۔ مسیحی علماء اس لفظ سے تثلیث کا مفہوم مراد لیتے ہیں لیکن مصنف نے مسلم و یہودی علماء کے حوالہ سے اس نظریہ کی تردید کی ہے۔ مصنف کے نزدیک لفظ الرحیم کا مادہ الہ ہے۔ لیکن یہودیوں کے یہاں لفظ الہ کا استعمال نہیں بلکہ اس کا مشتق لفظ الوہ مستعمل ہے جو معبود برحق اور معبود باطل دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ (صفحہ ۳۰-۳۱)

آسمان و زمین کی پیدائش سے قبل صرف خدا تھا اور عالم شہادت میں صرف پانی تھا۔ توریت کی اس روایت کی تائید مصنف نے سورہ ہود کی آیت (۷) اور مشکوٰۃ کے باب بدء الخلق کی احادیث کے حوالوں سے کی ہے (صفحہ ۴۲)

مصنف نے عرش سے مراد بزرگی اور جلال کے لئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ عرش کے معنی بزرگی اور جلال کے آتے ہیں۔ پس مراد آیت کی صاف ہے کہ عالم شہادت کی آفرینش سے پہلے صرف پانی پیدا کیا گیا تھا اور خدا کی شان اور اس کا جلال پانی پر تھا" اس موقع پر بھی مصنف نے نظریہ تثلیث کی تردید کی ہے۔ (۵۸)

مصنف نے جابجا انگریزی مترجموں کے غلط ترجمہ پر گرفت کرتے ہوئے عربی زبان

کے اصل الفاظ کو نقل کر کے ان کا ترجمہ اور تشریح انگریزی اور اردو زبان میں کی ہے۔ مثلاً توریت کی ایک درس جس کا ترجمہ ہے کہ "اور کہا خدا نے بنادیں ہم آدم کو اپنی پرچھائیں کے مانند اپنی شبیہ کے" جس کی مطابقت قرآن کی سورۃ البقرۃ آیۃ (۳۰) سے ہوتی ہے جس میں ہے کہ "اور جب کہا تیرے پروردگار نے فرشتوں کو مجھے بنانا ہے زمین میں ایک نائب" توریت کی اس آیۃ سے انگریز مترجموں نے تثلیث ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس کا مفہوم خدا کا انسان کے پیدا کرنے پر مشورہ کرنا اور مل کر کام کرنا نکلتا ہے۔ ان کے نزدیک اس طرز کلام سے الہیت میں وجود کی جمعیت پائی جاتی ہے۔ لیکن سر سید کے نزدیک فیلیس، آدم چ، بشپ، اور کریز رسٹم وغیرہ انگریز مترجموں نے اس درس کے سمجھنے ہی غلطی سے کام لیا ہے۔ حالانکہ اس درس ـــــ سے تثلیث نہیں بلکہ توحید کا ہی ثبوت فراہم ہوتا ہے (ص۶۵-۶۶)

مصنف، توریت کے متضاد بیانات (باب اول درس ۲۶ اور باب دوم درس ۷) کے متعلق اپنا یہ نظریہ انتہائی وثوق کے ساتھ واضح کرتے ہیں کہ یہ تضاد نہیں بلکہ تعدد آدم کی دلیل ہے۔ یعنی پہلے آدم اور ہمارے باپ آدم جن کا ذکر باب دوم درس (۷) میں ہے وہ الگ الگ شخصیتیں ہیں اور ان دونوں کے درمیان معلوم نہیں کتنی پشتیں اور گذر گئیں (ص۸۸)۔ ان کے نزدیک پہلے آدم کو سارے نباتات کھانے کی اجازت تھی اور دوسرے آدم کو سب درختوں کے پھل کھانے کی اجازت نہ تھی (۸۹-۹۰) یعنی توریت کے متضاد بیانات کو وہ اس میں تغییر پر محمول نہ کرکے ایک اور آدم بلکہ کئی اور آدم کے وجود کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

پیدائش آدم کی تفصیلات اور اس کے متعلقات پر توریت کی روشنی میں بحث کرتے ہوئے وہ معتزلہ اور ابوالقاسم بلخی نیز ابو مسلم خراسانی کے اقوال نقل کرتے ہیں کہ جنت آدم (باغ) اسی زمین پر ہے۔ اسی طرح قاضی عیاض کا یہ قول بھی نقل کرتے ہیں کہ سدرۃ المنتہیٰ (توریت کے مطابق شجر خیر و شر) اسی زمین میں ہے۔ مصنف نے بھی جنت کا ترجمہ باغ ہی کیا ہے اور اس سے اس زمین کا باغ (باغ عدن) مراد لیا ہے (ص۱۰۰-۱۰۱ و ص۱۲۳)

گویا سر سید کے نزدیک شجر آدم سدرۃ المنتہیٰ ہے۔

یوم سبت کو سر سید عبادت کا دن مانتے ہوئے بتاتے ہیں کہ اس دن کے تعین میں اگرچہ اختلاف ہے لیکن کتاب مقدس سے ساتواں دن معلوم ہوتا ہے۔ یہودی اس کو بخوبی جانتے تھے بعد میں مختلف وجوہات کی بنا پر وہ اس معین دن کو فراموش کر بیٹھے اسی طرح عیسائی اتوار کے دن کو سبت کا دن مانتے ہیں۔ اور ہم مسلمان جمعہ کے دن کو سبت کا دن مانتے ہیں۔ (ص۱۱۰-۱۱۱) اس ضمن میں وہ حدیث رسولؐ کا ذکر بھی کرتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سبت کا دن جس کو خدا نے فرض کیا تھا وہ جمعہ کا دن ہے"۔ لیکن اس حدیث کا مصنف نے کوئی حوالہ نہیں دیا ہے۔

توریت کی روایت کے مطابق درخت آدم جو باغ عدن میں تھا، (یعنی درخت زندگی کا) کے سلسلہ میں بشپ ولسن کی تفسیر کے مطابق وہ یہ لکھتے ہیں کہ اس درخت کی تاثیر سے، یا خدا کے حکم سے اس کے کھانے والے کو حیات ابدی نصیب ہوتی ہے (ص۱۲۳) اسی طرح سدرۃ المنتہیٰ (یعنی درخت پہچان بھلائی و برائی کا) کے سلسلہ میں بشپ ولسن اور ڈاکٹر ہیلز کے حوالوں سے اس کی تشریح کرتے ہیں کہ اسکو کھانے سے نیکی اور بدی سے آگاہی حاصل ہوتی ہے (ص۱۲۳)۔ لیکن خود سر سید ان دونوں درختوں کو معنوی مفہوم میں لیتے ہوئے لکھتے ہیں "اللہ نے وجوب الوجود اور معرفت نیک و بد کو درخت زندگی اور درخت نیک و بد سے تعبیر کیا ہے نہ کہ وہ دیگر درختوں کی طرح درخت تھے۔ (ص۱۲۴-۱۲۵)

سر سید کی تحریر میں ان دونوں درختوں یعنی درخت آدم اور درخت خیر و شر اور سدرۃ المنتہیٰ کی تمیز میں کافی الجھاؤ پیدا ہو گیا ہے اور قاضی عیاض کے قول کو نقل کرتے وقت سدرۃ المنتہیٰ کی وضاحت بریکیٹ میں (شجر علم الخیر والشر) سے کی گئی ہے (ملاحظہ ہو ص۱۰۱)

آدم کو شجر علم الخیر والشر کو کھانے سے منع کیا گیا تھا۔ لیکن مصنف کے نزدیک آدم کو یہ ممانعت شرعی گناہ نہیں تھی بلکہ صرف ان کے فائدہ اور نفع کیلئے تھی کیونکہ اگر گناہ ہوتا تو زیادہ سخت وعید آتی حالانکہ انکو صرف یہ کہا گیا کہ "تو مرجاوے گا" ایک قسم کے مرنے

گا سے مراد ہدایت سے غفلت کرنا ہے۔ مرنے سے مراد عیسائی عالم بشپ پیٹرک کے نزدیک یہ ہے کہ وہ تمام "بیماریاں اور تکالیف اور بے چینیاں جو موت کے مقدمات ہیں غذائی اس تغیر میں آگئیں۔ بشپ ہیورچ کے نزدیک پھل نہ کھانے سے وہ زندہ رہے گا اور اسکو موت نہیں آئے گی۔ یعنی پھل کھانے سے وہ فانی ہو جائے گا اور بقا جو اس کو بخشی گئی ہے اس سے محروم ہو جائیگا۔ لیکن سرسید کے نزدیک اس سے صرف یہ مراد ہے کہ "تو اپنے حق میں برا کریگا" کیونکہ موت سے اس وقت تک آدم واقف نہ تھے اس لیے انکو موت سے ڈرانے کے کوئی معنی نہیں۔ (ملاحظہ ہو ص۱۲۶-۱۲۷)

مصنف حوا کو حضرت آدمؑ کی پسلی سے پیدا کئے جانے کے سلسلہ میں بشپ پیٹرک صاحب کے اس نظریہ کی تردید کرتے ہیں کہ اللہ نے حضرت آدمؑ کی طرح حضرت حوا میں بھی روح پھونکی۔ مصنف لکھتے ہیں کہ ہم مسلمان حوا میں اس طرح روح کے پھونکے جانے کے جس طرح کہ حضرت آدم میں پھونکی گئی تھی، قائل نہیں ہیں۔ ہمارے نزدیک حوا جاندار چیز سے بنائی گئی تھیں اس لیے جاندار ہی پیدا ہوئیں اور اسی سبب سے ان میں روح پھونکنے کی حاجت نہ تھی۔ (ص۱۲۹-۱۳۰)

بعض عیسائی مفسرین کی اس رائے سے بھی سرسید اختلاف کرتے ہیں کہ قانون قدرت کے موجب ایک آدمی کو صرف ایک عورت کا حق ہے۔ وہ اول تو اس بحث کو اس موقع پر غیر ضروری قرار دیتے ہیں، دوسرے یہ ثابت کرتے ہیں کہ اس موقع پر صرف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آدم کی تنہائی اور پریشانی رفع کرنے کو اللہ نے حوا کو پیدا کیا۔ (ص۱۳۱-۱۳۲)

حضرت آدم و حوا نے جب شیطان کے وسوسہ کے نتیجہ میں درخت چکھا تو انکی برہنگی ظاہر ہو گئی۔ (سورہ الاعراف آیۃ ۲۰-۲۱-۲۶-۲۷) کو نقل کرتے ہوئے سرسید نے سوآۃ کا ترجمہ عیب اور جنت کا ترجمہ باغ کیا ہے (ص۱۳۲-۱۳۴) جبکہ دیگر مفسرین نے اول الذکر کو شرم گاہ اور ثانی الذکر کو جنت سے تعبیر کیا ہے۔

اسی ضمن میں توریت کی روایت کو سورہ ص آیۃ ۷۷-۸۰ کے مطابق خیال کرتے ہوئے مصنف یہ تاثر دیتے ہیں کہ شیطان کو اسی وقت مردود کیا گیا جب آدم و حوا نے درخت کھایا (ص۱۴۰)۔ حالانکہ اس کو آدم کو سجدہ نہ کرنے کی پاداش میں مردود کیا گیا تھا۔ توریت کے

مطابق آدم و حوا کو بہکانے والا سانپ تھا۔ مصنف نے لکھا ہے کہ تمام یہودی، عیسائی اور مسلمان علماء اس پر اتفاق رکھتے ہیں کہ سانپ سے اس مقام پر شیطان مراد ہے۔ (ص۱۴۳)۔ اس موقع پر شیطان اور اسکی حیثیت پر بحث کا آغاز کرتے ہوئے سرسید مسلمانوں پر الزام لگاتے ہیں کہ وہ تحقیق نہیں کرنا چاہتے۔ اس کے بعد شیطان کو انسان سے علیحدہ کوئی مخلوق شمار کرنے کو بعید از عقل خیال کرتے ہوئے اس کو برائی پر آمادہ کرنے والے انسان کے قوائے بہیمی سے تعبیر کرتے ہیں۔ (۱۴۶-۱۴۷) اس سلسلہ میں وہ مشکوۃ کی احادیث کا حوالہ بھی دیتے ہیں۔ مثلاً "شیطان انسان کے اندر خون کی طرح دوڑتا پھرتا ہے" (۱۴۶) اسی طرح مشکوۃ کی دیگر احادیث کے حوالہ سے شیطان کے بارے میں اپنی اس رائے کو ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "کچھ عجب نہیں کہ عیسائی و مسلم علماء میری اس رائے سے اختلاف کریں، لیکن حقیقت یہی ہے جو میں نے بیان کی، اور انجیل مقدس سے بھی ثابت ہے" (ص۱۵۱)۔ چنانچہ انجیل سے بھی ایسے ہی چند حوالے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "حقیقت میں شیطان کوئی علیحدہ وجود نہیں ہے، ہم خود ہی شیطان ہیں اور خود ہی رحمان"۔ یعنی انسان میں قوائے ملکوتی و قوائے بہیمی دونوں ہوتے ہیں اور انہیں قوائے بہیمیہ کو جو انسان کی روح سے شدید دشمنی رکھتے ہیں، اللہ نے شیطان کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ (۱۵۲)

شیطانی وسوسہ سے حوا و آدم نے جو درخت کھایا اس پر اپنی رائے بیان کرتے ہوئے سرسید لکھتے ہیں کہ "حقیقت میں یہ درخت مثل باغ کے اور درختوں کے نہ تھا بلکہ بھلائی اور برائی کی پہچان کی ماہیت کے ظہور اور انکشاف کو جو انسان پر پڑے ہوئے تھے، خدا نے بھلائی اور برائی کی پہچان کے درخت سے تعبیر کیا تھا، پھر اس درخت کا کھانا صرف اس ماہیت کا قبول کر لینا ہے۔ انسان نے اپنی نادانی اور بیوقوفی سے خواہش کی کہ صفت پہچان نیک و بد کی اس میں ڈالی جاوے اور اس بھاری بوجھ کے اٹھانے پر (جسے آسمان و زمین نہ اٹھا سکے تھے) راضی ہو گیا اور اپنے سر پر دھر لیا۔" جیسا کہ قرآن میں سورہ احزاب کی آیۃ ۷۲ میں آیا ہے۔ (ص۱۵۷) اس کے بعد بڑا حیرت انگیز انکشاف کرتے ہیں کہ در اصل اللہ نے انسان کے سامنے، ماہیت پہچان بھلائی و برائی کی ظاہر کی اور اس کو جتا دیا کہ

اس کو مت لو، اگر لو گے تو ایک قسم کی موت سے دوچار ہو گے یعنی ایک مصیبت میں پڑو گے اور اپنے کام کے خود ذمہ دار ہو گے، ہر ایک بات بھلی یا بری تم کو سمجھ کر کرنی ہو گی اور بھلے و برے کاموں کی جزا و سزا تم کو بھگتنی ہو گی، لیکن انسان نے خدا کی اس نصیحت کو نہ مانا اور علم خیر و شر کو حاصل کیا، اب گویا انسان پر گناہ آنے کی یہی اصل بنیاد ہے۔ اور انسان نے خود اس مصیبت کو مول لیا ہے جسکی پاداشن میں اس کو بھلے کاموں کا اچھا اور برے کاموں کا برا بدلہ ملتا ہے۔ ورنہ اگر وہ اللہ کی اس نصیحت کو مان لیتا تو اس کا مکلف نہ ہوتا۔

(ص ۱۵۸)

عیسائی علماء کا نظریہ ہے کہ آدم وحوا دونوں اس سبب سے گنہگار ہوئے اور اس سبب سے انسان کی نسل میں گناہ آیا۔ لیکن سرسید لکھتے ہیں کہ یہ بعید از انصاف بات ہے کہ باپ کے گناہ سے بیٹا گنہگار ہو (۱۵۹ــ۱۶۰) دوسرے یہ کہ ہم مسلمانوں کے نزدیک آدم وحوا کا یہ گناہ شرعی گناہ نہیں بلکہ صرف انسان کی بھلائی کے واسطے یہ ممانعت تھی۔ (۱۶۰)

اس مسئلہ پر وہ یہ اعتراض اٹھاتے ہیں کہ قرآن میں آدم کے گناہ کی بات آتی ہے اور مسلمانوں کے نزدیک آدم روز پیدائش سے ہی نبی تھے اور انبیاء معصوم ہوتے ہیں۔ اس اعتراض کے جواب میں وہ عصمت انبیاء پر ایک طویل بحث کرتے ہیں، جس میں حضرت مسیحؑ کے اقوال (متی ۱۹ ـ ۱۶، ۱۷) سے استدلال کرنے کے بعد مسلمانوں کے نظریہ کی وضاحت کرتے ہیں کہ انبیاء سے کوئی شرعی گناہ کبیرہ و صغیرہ دانستہ یا نادانستہ سرزد نہیں ہوتا۔ نہ نبوت سے پہلے نہ نبوت کی حالت میں۔ البتہ نبوت حاصل ہونے کے بعد ان سے نیک ارادہ اور زیادہ نیکی حاصل کرنے کی نیت سے خطائے اجتہادی کا ہونا ممکن ہے اور ظاہر ہے کہ جو کام نیک ارادے سے کیا گیا ہو وہ کسی طرح شرعی گناہ بلکہ درحقیقت گناہ نہیں ہو سکتا، مگر انبیاء کی نسبت وہ بھی گناہ ہے۔ ان سے یہ چاہا گیا ہے کہ وہ بھلائی برائی سے کچھ غرض نہ رکھیں بلکہ جو حکم پاویں وہ بجا لادیں۔ بلکہ انکو خود کسی بھلائی یا نیکی کا قصد کرنا بھی ان کے حق میں گناہ ہے۔ اسی وجہ سے آدم کے لئے کہا گیا کہ انہوں نے اپنے پروردگار کا گناہ کیا (ص ۱۶۴)

خدا کی آواز جو آدم وحوا نے سنی تھی، اس کے تحت عیسائی علماء کی اس تفسیر سے سرسید

اختلاف کرتے ہیں جس کے تحت انہوں نے تثلیث ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ (۱۶۵) اور لکھا ہے کہ ہمارے نزدیک یہ آواز اس خدا کی تھی جو اپنی ذات و صفات میں واحد حقیقی ہے۔ اور مسلمانوں کے نزدیک خدا کی ساری صفات انسان کی جیسی صفات نہیں بلکہ بجز مناسب اسمی کے انسان سے خدا کی صفات کی کسی طرح مشارکت نہیں۔ (۱۶۶)

طوفان نوح کے سلسلہ میں سرسید سورہ مومنون آیت ۲۳، سورہ انبیاء آیۃ ۷۷، اور سورہ ہود آیۃ ۴۰ کے حوالوں سے ثابت کرتے ہیں کہ یہ طوفان عام نہیں تھا، لیکن علماء اسلام نے علماء یہود کی اتباع میں اس کو عام سمجھا ہے۔ (۱۸۶)

حضرت ادریس علیہ السلام کے سلسلہ میں علماء مذاہب ثلاثہ کا اتفاق ثابت کرتے ہیں کہ ان کو آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ اور تفسیر کبیر کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ حضرت ادریس علیہ السلام آسمان میں یا بہشت میں ہیں اور بموجب صحیح قول کے زندہ ہیں مرے نہیں۔ (۲۱۲)

توریت کے اس بیان پر کہ خدا نے آدم کی تخلیق پر تاسف کیا اور اس کو مٹانے کا ارادہ کیا، سرسید تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انسان کے بد کاموں پر اللہ نے ناراضگی اور غصہ کا اظہار کیا۔ (۲۲۷)

طوفان نوح پر اگرچہ سرسید اس سے پہلے بھی ایک جگہ اظہار رائے کر چکے ہیں لیکن الگ سے ایک عنوان قائم کرکے ایک طویل بحث کی ہے اور اس کو خاص طوفان قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ نہ تو تمام دنیا غرق ہوئی تھی اور نہ اونچے پہاڑ ڈوبے تھے۔ جس پہاڑ پر حضرت نوح کی کشتی ٹھہری تھی وہ ایک پست پہاڑ تھا۔ یہی نہیں بلکہ انہوں نے پانی کے اتار چڑھاؤ کے حساب اور کتاب اقدس کے بیانات اور قرآنی آیات کی روشنی میں بھی اس کے طوفان عام ہونے کی تردید کی ہے۔ (ملاحظہ ہو ص ۲۴۵ــ۲۸۱)

آخر میں تمام آسمانی کتب (بشمول قرآن) کو نکتہ چیں نظروں سے دیکھنے پر پوری تاکید اور شدت سے اصرار کرتے ہیں کہ میں کسی طرح اس بات پر رضامند نہیں ہو سکتا کہ کتاب اقدس اور تمام ہولی اسکرپچرز (Holy Scriptures) کو یہاں تک کہ قرآن مجید کو بھی نکتہ چیں نظر سے نہ دیکھا جاوے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ شریف چیز یعنی عقل جو خدا نے ہم کو دی ہے، معطل رکھنے کے لئے

دی ہے"۔ (۳۳۰)

تیسری جلد میں سرسید عیسائی مذہب کی مختصر تاریخ اور اس کے مختلف فرقوں کی تاریخ انجیل متی، انجیل لوقا اور انجیل یوحنا کی مدد سے مرتب کرتے ہیں، جس میں حضرت مسیح کی پیدائش انکی نبوت اور ان کی تعلیمات پر بھی مختصر روشنی ڈالی ہے۔ چنانچہ انکی دعوت اور تعلیمات کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ حضرت مسیح نے اپنی زندگی میں صرف یہودیوں کو نصیحت کی اور اپنے شاگردوں کو بھی یہودیوں کے علاوہ کسی کو نصیحت کرنے کو نہیں فرمایا۔ مگر بعد میں بہت سی قومیں حضرت پر ایمان لائیں اور خدا کی بادشاہت میں داخل ہوئیں۔ (ص۔۔) حضرت مسیح کے حواریوں کی نصیحت میں چنداں اختلاف نہیں تھا۔" سرسید کے نزدیک اگرچہ عیسائی مورخ اس کو تسلیم نہیں کرتے مگر ہم مسلمان یقین کرتے ہیں کہ سب کی تعلیم یہی تھی کہ ایک خدا کی پرستش کرو اور مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا یعنی روح اللہ، کلمۃ اللہ اور رسول اللہ جانو اور اس پر ایمان لاؤ۔ ہم مسلمانوں کے نزدیک ان میں سے کسی کو یہ تعلیم نہ تھی کہ باپ بیٹا اور روح القدس تینوں غیر مخلوق ہیں اور باپ، بیٹا اور روح القدس تینوں خدا ہیں (ص۔۔) مگر عیسائی اس کو قبول نہیں کرتے۔

عیسائی علماء کے نظریہ تثلیث کے تحت ابن اللہ کے لغوی معنی کی تردید کرتے ہوئے سرسید اس کو روح اللہ کے مفہوم میں بیان کرتے ہیں کہ "ہم میں اور عیسائیوں میں کچھ اختلاف نہیں، خواہ اس کو ابن اللہ کہکر تعبیر کریں خواہ اس کو روح اللہ کہکر بیان کریں"۔ (ص۔۔)

عیسائی مورخین کے اس نظریہ سے سرسید اتفاق نہیں کرتے کہ عیسائی ابتداء ہی سے تثلیث کے قائل تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے نزدیک وہ خدائے واحد کے ہی قائل تھے اور تیسری چوتھی صدی میں یہ نظریہ ان میں رواج پایا" (ص۔۔)

اس کے بعد وہ عیسائیت کے مختلف فرقوں اور ان کے معتقدات کے باہمی اختلافات کا تذکرہ موشیم (مطبوعہ ۱۸۴۸ء) کی مدد سے کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ان اختلافات میں اتنی شدت پیدا ہو گئی تھی کہ بغیر خدا کی طرف سے کسی ہدایت کے ان کا ختم ہونا محال تھا۔ لہذا ۵۷۱ء میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا جس نے تمام اندھیروں کو اجالا کیا اور بتایا کہ کس طرح

سچائی سے خدا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانا چاہئے۔ (ص۔۔) یہاں سرسید کو صرف اتنا بھی بتانا چاہئے تھا کہ نبوت محمدیہ پر ایمان لانا بھی واجب تھا، نہ کہ صرف یہ کہ آپ نے خدا اور مسیح پر ایمان لانے کی بات کی۔

"متی کی انجیل" عنوان کے تحت انجیل متی کے لکھنے والے حواری میتھیو اور اس کے مختصر خاکہ کے علاوہ یہ بتاتے ہیں کہ اس کا کوئی اصل نسخہ اب موجود نہیں علاوہ یونانی نسخہ کے۔ یہ انجیل کس زبان میں لکھی گئی؟ اس پر پہلے تو اتفاق تھا کہ وہ اصل عبرانی زبان میں لکھی گئی لیکن اسپہارن صاحب اور علمائے متاخرین (بحوالہ تفسیر ہنری واسکاٹ مطبوعہ ۱۸۵۲ء، ج ۵ ص ۱) کا مختار قول ہے کہ عبرانی اور یونانی دونوں زبانوں میں لکھی گئی۔ اور موجودہ یونانی انجیل اصل نسخہ ہے۔ لیکن مسلمانوں کے نزدیک (حضرت عائشہؓ سے مروی مشہور طویل حدیث کا ٹکڑا نقل کرتے ہوئے) اصل میں اس کو عبرانی زبان میں ہی لکھا گیا اور موجودہ عبرانی کا ترجمہ ہے اصل نہیں۔ (ص۔۔) ساتھ ہی سرسید ان مسیحی علماء کے اقوال کو بھی (ریورنڈ ڈی کی تفسیر مطبوعہ ۱۸۲۹ء سے) نقل کرتے ہیں جو اسکی اصل عبرانی ہی مانتے ہیں (ص۔۔)

لیکن سرسید اس موجودہ انجیل متی کو اصل کے مطابق تسلیم کرنے کے حق میں ہیں اور لکھتے ہیں کہ اگر اس کی کوئی شہادت نہیں کہ موجودہ انجیل متی وہی ہے جو عبرانی میں لکھی گئی تھی تو اس کے ضد میں بھی کوئی ثبوت نہیں (ص۔۔) نہ صرف بلکہ اس انجیل کی صحت سے انکار کرنے والوں کے اقوال کو سرسید لغو خیال سمجھتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ انجیل صحاح اناجیل میں داخل ہے اور ہم لوگ اس پر ذرا بھی شک نہیں کرتے۔ (ص۔۔)

حضرت مسیح کے نسب نامہ کے تذکرہ (باب اول) میں سرسید ان عیسائی مفسرین کی غلط تفسیروں کی گرفت کرتے ہیں جو حضرت مسیح کو برص کی نسل سے سمجھتے ہیں، اور برص کو ولد الحرام ثابت کرتے ہیں، اس طرح کہ یہوداہ نے اپنی بہو تامار سے زنا کیا تھا جس سے برص پیدا ہوا، پھر وہ مسیح کے تقدس کو ذاتی تقدس ثابت کرکے گویا مسیح کی شخصیت پر اس اعتراض کو رفع کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان جیسی عظیم شخصیت ناپاک نسل میں کس طرح ہو سکتی ہے۔ سرسید سورہ مریم کی آیت نمبر ۲۸ کے حوالہ سے ثابت کرتے ہیں کہ حضرت

مسیح کے تمام آبا و امہات پاک ہیں۔ (صفحہ ۲)

دوسرے باب میں سرسید اس غلط فہمی کا ازالہ بڑی شد و مد سے کرتے ہیں کہ عربی لفظ نصاریٰ شہر ناصرہ جو یروشلم کے شمال میں واقع شہر کی طرف منسوب ہے۔ اور جواہر القرآن کی رو سے میں لکھتے ہیں کہ اس کے معنی مدد کرنے کے ہیں اور نصر سے مشتق ہے۔ وہ یہ وضاحت بھی کرتے ہیں ناصران اور نصران البتہ شہر ناصرہ سے منسوب ہیں لیکن ہم مسلمان اس لفظ کا اطلاق اس حقارت کے مفہوم میں نہیں کرتے جس میں یہودی عیسائیوں کو نفرت و حقارت سے کہتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے نزدیک ایسا کرنا کفر ہے۔ ہم نصاریٰ اس لئے کہتے ہیں کہ جو لوگ حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لائے ان کو نصاریٰ کہا گیا جیسا سورہ آل عمران کی آیت (۵۲) سے معلوم ہوتا ہے۔ (صفحہ)

مسئلہ اصطباغ پر بحث کرتے ہوئے سرسید لکھتے ہیں کہ اس درس سے ہم روحانی اصطباغ سمجھتے ہیں جس کی خبر حضرت یحییٰ نے دی اور حضرت مسیح نے بھی روحانی اصطباغ کے سوا کوئی ظاہری اصطباغ کسی کو نہیں دیا۔ اسی ضمن میں وہ اسلامی اصطباغ کی بھی بحث کرتے ہیں کہ سورہ البقرۃ آیۃ (۱۳۸) میں مذکورہ صبغۃ اللہ دراصل روحانی اصطباغ ہے۔ وہ اسی روحانی اصطباغ کو مسلمان ہونے کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو ص ۹۸ و ص ۴۴)

سرسید نے اپنی اس کتاب میں بارہا نظریہ تثلیث کی تردید مختلف پہلوؤں سے کی ہے۔ چنانچہ اس موقع پر بھی وہ عیسائیوں کے یہاں مروجہ باپ اور بیٹے کے مفہوم کو اناجیل کے برخلاف قرار دیتے ہوئے باپ کو پروردگار اور بیٹے کو بندہ کے مفہوم میں سمجھتے ہیں جس کے دلائل بھی انجیل متی و لوقا سے پیش کئے ہیں مزید برآں سورہ المائدۃ آیۃ (۱۹) سے بھی انہوں نے الوہیت مسیح کی تردید کی ہے۔ (صفحہ ۱۰)

چوتھا باب۔ جس میں سرسید نے مسیح کا شیطان کے ذریعہ آزمایا جانا وغیرہ پر بحث کی ہے۔ شیطان کے بارے میں مصنف کے نظریات کی مزید وضاحت کرتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ تمام باب ہم مسلمانوں کے عقیدہ کی نہایت حمایت کرتا ہے اور اس کا ایک ایک حرف مسلمانوں کے عقیدہ سے مطابقت رکھتا ہے۔ (صفحہ ۸) وہ آگے لکھتے ہیں کہ ہم شیطان کا ایک اصلی وجود پر بھی یقین کرتے ہیں اور اسی طرح تمام عیسائی بھی یقین کرتے ہیں۔ مگر اس زمانہ

کے بعض عیسائی روزنیس مطبوعہ ۱۸۹۲ء) شیطان کے وجود سے منکر ہیں (صفحہ ۸) متی کی درسوں کی تفسیر کرتے ہوئے دلائل و شواہد کی بنیاد پر پھر ثابت کرتے ہیں کہ ان تمام درسوں سے بخوبی روشن ہے کہ حضرت مسیح خدا نہ تھے (صفحہ ۹) اور اناجیل اربعہ سے کہیں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مسیح خدا کا درجہ رکھتے ہیں۔ (صفحہ ۹) اسلام کی جانب سے یہ وضاحت بھی کرتے ہیں کہ ہم مسلمان اپنے نبی کے واسطہ سے مسیح کے پیرو ہیں (صفحہ ۹)

روز قیامت دیدار خدا کے سلسلہ میں سرسید اسلام و عیسائیت میں اتحاد ثابت کرتے ہیں کہ انجیل اور قرآن (سورہ القیامۃ آیۃ ۲۳) دونوں سے دیدار ثابت ہے (صفحہ ۱۰)

پانچویں باب میں سرسید نے نسخ پر وہی بحث کی ہے جو پہلی جلد میں کر چکے ہیں (صفحہ ۱۱) قسم کھانے کے سلسلہ میں احتیاط برتنے کی بات میں بھی عیسائی و مسلم مذاہب کا اتفاق ہے۔ (۱۲)

سرسید کی یہ کتاب مجموعی طور پر احیاء العلوم (غزالی)، مشکوٰۃ المصابیح، تفسیر فخرالدین رازی و الکسن الکمپوزیشن ۱۸۴۲، تفسیر دائیلی، تفسیر ہنری و اسکاٹ، وغیرہ کتب کی مدد سے مرتب کی گئی ہے اناجیل اربعہ اور عہد نامہ قدیم و جدید سے بھی بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔

غزل

اختر جلال پوری، مئو۔

آج بیتاب نظر آتے ہیں ارماں کتنے
فصلِ گل لائی ہے گلشن میں تو ساماں کتنے

ہم تو خود دل کو ہیں تھامے ہوئے اپنے لیکن
اٹھی نظروں نے اٹھائے ہیں یہ طوفاں کتنے

تری امید پہ جینے کا صلہ کیا کہیے
زندگی سے نظر آتے ہیں پریشاں کتنے

زلفِ مشکیں پہ جوانی پہ نزاکت پہ نکھار
ساتھ میں اپنے وہ لائے ہیں گلستاں کتنے

آج بھی ترے پرستار نظر آتے ہیں
مل گئے خاک میں لیکر غمِ دوراں کتنے

خاک چھانی ہے بہت آپ نے کیا کیا اختر
چبھ گئے پاؤں میں ہیں خارِ مغیلاں کتنے

عبدالبر اثری فلاحی

روزہ بے اثر کیوں؟

رمضان المبارک جو نیکیوں کا موسم بہار ہے تزکیہ و تصفیہ کا ذریعہ ہے ہر سال آتا ہے اور گذر جاتا ہے مگر ہماری حالت میں کوئی تبدیلی نہیں آتی آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ جو حال رمضان سے پہلے تھا وہی بعد میں بھی رہتا ہے آئندہ سطور میں میں نے اسی سوال کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ کسی بھی بیماری کے علاج کے لئے جہاں دوا ضروری ہے وہیں پرہیز بھی ضروری ہے حتی کہ کہا جاتا ہے "الوقایۃ خیر من العلاج" "پرہیز علاج سے بہتر ہے۔" روزہ جو ہمارے روحانی و جسمانی امراض کی دوا ہے اس کے ساتھ ساتھ کچھ چیزوں سے پرہیز بھی ضروری ہے۔ جن کا ہم لحاظ نہیں کرتے۔ آج ہماری سب سے بڑی خرابی یہی ہے کہ عبادت اور طاعت تو کسی طرح کچھ کر بھی لیتے ہیں لیکن ان کے ساتھ جن کوتاہیوں سے بچنا چاہئے ان سے پرہیز بالکل نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری حالت جوں کی توں باقی رہتی ہے۔ اور ہماری زندگیوں میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ لہٰذا ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ ان کوتاہیوں اور خطاؤں پر متنبہ کیا جائے تاکہ ان سے بچ کر ہم اس ماہ مبارک کے برکات و ثمرات سمیٹ سکیں۔

اس ضمن میں سب سے بڑی کوتاہی یہ ہے کہ بہت سارے لوگ روزہ تو رکھتے ہیں لیکن نماز نہیں پڑھتے حالانکہ نماز کو اس سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ یہ بات کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی کہ آخر وہ کونسا ایمان ہے کہ جس کی بنا پر ایک حکم تو مانا جائے اور دوسرے حکم سے گریز کیا جائے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ سے مذاق کے مترادف ہے واضح رہے کہ تمام عبادات کو کما حقہ بجالانا ہی کامیابی کا ضامن ہے یہ دو گونہ رویہ کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ ایسا لگتا ہے کہ ایسے روزہ دار محض دینداری کا بھرم رکھنے کیلئے روزہ رکھتے ہیں۔ یا یہ کہ روزہ داروں میں نکو نہ بننا پڑے گھر اور خاندان کے لوگ برا بھلا نہ کہیں۔ واضح رہے کہ یہ ساری چیزیں

ریا کی قبیل سے ہیں جن سے اخلاص آلودہ اور مشتبہ ہو جاتا ہے۔ اور پھر رمضان کی برکتوں کا حقیقی ظہور نہیں ہوتا۔ اس طرح کے روزے وہ روزے نہیں ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يَتْرُكُ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ وَشَهْوَتَهُ مِنْ أَجْلِي، الصِّيَامُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ (رواه البخاری عن ابی ہریرۃ)

"بندہ میرے لئے اپنا کھانا پینا اور اپنی شہوت چھوڑتا ہے روزہ میرے لئے ہے اور میں اس کا بدلہ دوں گا۔"

اس سلسلے میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ لوگ دن بھر کھانا پینا تو چھوڑ دیتے ہیں لیکن جھوٹ بولنا، غیبت کرنا، فضول باتیں کرنا، لہو و لعب میں مشغول رہنا نہیں چھوڑتے بلکہ دن دن بھر خالی اوقات گذارنے کیلئے یکجا بیٹھ جاتے ہیں۔ اور انہیں ساری خرافات میں مشغول رہتے ہیں۔ جو کچھ فائدہ تو نہیں پہنچاتا البتہ گناہ میں اضافہ ضرور کرتا ہے۔ شاید لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ روزے سے اس کا کوئی تعلق نہیں حالانکہ ان چیزوں سے بچنا ہی روزہ کی روح ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِ وَالْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِي أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ (بخاری)

"حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبیؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس بات کی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔"

ایک دوسری حدیث میں آیا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصِّيَامُ جُنَّةٌ فَإِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ أَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ فَإِنْ سَابَّهُ أَحَدٌ أَوْ قَاتَلَهُ فَلْيَقُلْ إِنِّي صَائِمٌ إِنِّي صَائِمٌ
(بخاری، مسلم)

"حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسولؐ نے ارشاد فرمایا کہ روزہ ایک سپر ہے جب کسی کا روزہ ہو تو اسے چاہئے کہ نہ شہوت کی کوئی بات کرے اور نہ شور و شغب کرے اگر کوئی شخص اس سے گالم گلوچ کرے یا لڑے جھگڑے تو وہ اس سے کہے میں روزے سے ہوں

میں روزے سے ہوں۔

اسی مفہوم کی ایک دوسری حدیث ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الصِّيَامُ مِنَ الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ إِنَّمَا الصِّيَامُ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ فَإِنْ سَابَّكَ أَحَدٌ أَوْ جَهِلَ عَلَيْكَ فَقُلْ إِنِّي صَائِمٌ إِنِّي صَائِمٌ۔ (رواہ ابن حبان وابن خزیمۃ فی صحیحہما)

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ روزہ کھانے پینے سے رک جانے کا نام نہیں ہے بلکہ روزہ لغو اور شہوت کی باتوں سے رکنے کا نام ہے بس اگر کوئی تجھے گالی دے یا تم پر زیادتی کرے تو کہو میں روزے سے ہوں میں روزے سے ہوں۔

چنانچہ صحابی رسول جابر بن عبداللہ انصاریؓ نے ایک مرتبہ فرمایا۔

إِذَا صُمْتَ فَلْيَصُمْ سَمْعُكَ وَبَصَرُكَ وَلِسَانُكَ عَنِ الْكَذِبِ وَالْمَحَارِمِ وَدَعْ أَذَى الْجَارِ وَلْيَكُنْ عَلَيْكَ وَقَارٌ وَسَكِينَةٌ وَلَا تَجْعَلْ يَوْمَ صَوْمِكَ وَيَوْمَ فِطْرِكَ سَوَاءً۔ (الصیام و تفاسیر الاحکام از عبدالقدوس انصاری)

"جب تم روزے سے رہو تو تمہارے کان، آنکھ اور زبان بھی جھوٹ اور محرمات سے بچیں پڑوسی کو تکلیف دینا چھوڑ دو، تم پر وقار اور سکینت طاری رہے۔ تمہارے روزے کے دن اور عام دن یکساں نہ لگیں۔

واضح رہے کہ جن معاصی کا تذکرہ کیا گیا ہے جب وہ عام دنوں میں حرام ہیں تو رمضان کے مبارک مہینے میں اس کی حرمت کس قدر بڑھ جائے گی۔ کیا اتنی بات سمجھ میں نہیں آتی کہ کھانا پینا جو فی نفسہ مباح ہے جب روزہ میں حرام ہو جاتا ہے تو یہ معاصی جو فی نفسہ بھی حرام ہیں بھلا ان دنوں میں کیسے مباح ہو جائیں گے۔ آخر آپ ہی سوچیں کہ مباح اصلی سے بچنا اور غیر مباح میں مبتلا ہو جانا آخر یہ کس قسم کا روزہ ہے۔

اسی سلسلے کی ایک کڑی یہ بھی ہے کہ لوگ معمول کے مطابق اپنا کام بند کر دیتے ہیں دن دن بھر سوتے اور آرام کرنے میں گذار دیتے ہیں۔ کوئی کام اگر پڑ جائے تو روزے کا بہانہ کر لیتے ہیں۔ حالانکہ یہ کسی طرح صحیح نہیں بلکہ اس سے ثواب میں کمی ہو جاتی

ہے، جیسا کہ حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں نکلے سخت گرمی کا دن تھا، کچھ لوگ روزے سے تھے ایک جگہ جب رکے تو روزہ دار لوگ تو زمین پر پڑ گئے اور غیر روزہ داروں نے سب کام کیا خیمہ گاڑا، پانی لائے، سواریوں کو پانی پلایا۔ آنحضرتؐ نے یہ دیکھ کر فرمایا "آج بے روزہ دار ہی سب ثواب لے گئے" (متفق علیہ)

یہ بات بھی مشاہدے میں آتی ہے کہ عام دنوں کے بنسبت روزے کے دنوں میں لوگ اشتعال اور غصے کا مظاہرہ زیادہ کرتے ہیں جہاں ذرا سی بھی کوئی بات مزاج کے خلاف ہوئی فوراً غصہ آجاتا ہے، بیوی، بچوں اور نوکروں پر ذرا ذرا سی بات پر برس پڑتے ہیں۔ گالیاں بکتے ہیں۔ بسا اوقات مار پیٹ کی بھی نوبت آجاتی ہے اور ایسا نہیں کہ یہ معاملہ اہل خانہ تک محدود رہتا ہے بلکہ دوسروں سے بھی گالم گلوج اور لڑائی جھگڑے ہو جاتے ہیں۔ مزید طرفہ تماشا یہ کہ بجائے افسوس و ندامت کے اپنے آپ کو اس خیال سے تسلی دے لیتے ہیں کہ کیا کریں روزے میں ایسا ہو ہی جاتا ہے لیکن یہ انتہائی غلط ذہنیت ہے صحیح بات یہ ہے کہ ان چیزوں پر قابو پانا چاہیے کیونکہ روزے سے مقصود ہی ضبط نفس ہے۔ اگر یہی نہ ہوا تو پھر کیا ہوا۔ اس سلسلے میں نبی کریمؐ کا یہ ارشاد ہر آدمی کو اپنے سامنے رکھنا چاہیے۔

الصِّيَامُ جُنَّةٌ فَإِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ أَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ فَإِنْ شَاتَمَهُ أَحَدٌ أَوْ قَاتَلَهُ فَلْيَقُلْ إِنِّي امْرُؤٌ صَائِمٌ (بخاری ومسلم)

"روزہ ایک سپر ہے جب کسی کا روزہ ہو تو اسے چاہیے کہ نہ شہوت کی کوئی بات کرے اور نہ شور و شغب کرے اگر کوئی شخص اس سے گالم گلوج کرے یا لڑے جھگڑے تو وہ اس سے کہے میں روزے سے ہوں میں روزے سے ہوں"۔

ہماری بے اعتدالیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ افطار کے سامان میں جس کو عرف میں افطاری کہتے ہیں اس قدر اہتمام کیا جاتا ہے کہ وہ اسراف کے درجے

میں پہنچ جاتا ہے۔ حالانکہ ہمارے رسولؐ کی سنت یہ ہے کہ وہ چند کھجوروں یا چھواروں سے افطار کرتے تھے اور اگر یہ میسر نہ ہوتا تھا تو صرف چند گھونٹ پانی پر اکتفا کرتے اس قدر اہتمام میں جہاں ہم اسراف کا گناہ مول لیتے ہیں وہیں مضرت کے دوسرے پہلو نکلتے ہیں یعنی اس قدر وافر افطاری ہوتی ہے کہ اس کو ختم کر کے مسجد پہنچنے میں بسا اوقات جماعت متاثر ہو جاتی ہے جو بہر حال ایک گھاٹے کا سودا ہے۔ اس سے زیادہ بری چیز یہ ہے کہ بعض لوگ جماعت نہ ملنے کا اندیشہ کر کے گھر ہی پر مغرب کی نماز ادا کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ جماعت کے ثواب ہی سے محروم رہ جاتے ہیں۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ جماعت میں دیر سے پہنچنا یا کوتاہی کرنا منافقت کی علامت ہے تو بالکل نہ پہنچنا کس چیز کی علامت ہوگی۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ نبی کریمؐ نے ایک نابینا کو عذر کے باوجود جماعت چھوڑ کر گھر پر نماز ادا کرنے کی اجازت نہیں دی تو ان کے لئے گھر پر بلا عذر نماز ادا کرنے کا جواز کہاں سے نکل آیا۔

ایک بات یہ بھی توجہ طلب ہے کہ جماعت کا ثواب حاصل کرنے کے لئے خصوصاً دعوتوں کے موقع سے الگ جماعت قائم کر لی جاتی ہے۔ یہ طریقہ بھی بہتر نہیں ہے کیونکہ مسجد کی جماعت چھوڑ کر گھروں میں الگ الگ جماعتیں قائم کرنا مزاج شریعت کے خلاف ہے۔ اور سنت نبوی کے ساتھ اس کا کوئی جوڑ نہیں لوگ تھوڑا تھوڑا بٹتے جاتے ہیں اور اس طرح بہت زیادہ بٹ جاتے ہیں۔ بہت سی بدعات نے اسی طرح رواج پایا ہے لہذا بہتر طریقہ یہ ہے کہ افطاری مختصر کی جائے تاکہ ان مضرات سے بچا جا سکے۔

تراویح کے سلسلے میں بھی ہمارا طرز عمل بہت اچھا نہیں ہے عام طور سے حافظ ریل کو ترجیح دی جاتی ہے۔ تاکہ جلد از جلد تراویح ختم ہو جائے۔ خواہ الفاظ کی ادائیگی قاعدے سے ہو یا نہ ہو، سامعین کو سنائی دے یا نہ دے، اگر کوئی سمجھنا چاہے تو اس کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ واضح رہے کہ ترتیل و تجوید کا لحاظ انتہائی ضروری ہے اور اس کا ترک موجب گناہ ہے۔ محض جلدی ختم کرنے کے لئے سارا ثواب غارت نہیں کرنا چاہئے بلکہ صاف صاف پڑھنا چاہئے کہ کوئی حرف کٹنے نہ پائے۔ اسی طرح ایک دوسری انتہا یہ ہے کہ بعض لوگ اس قدر ٹھہر ٹھہر کر اور اس قدر زیادہ پڑھتے ہیں کہ مقتدی گھبرا جاتے ہیں یہ صورت

بھی صحیح نہیں۔ حدیث میں امام کو تخفیف صلوٰۃ کا حکم آیا ہے جب فرض میں تخفیف کا حکم ہے تو سنت میں بدرجہ اولیٰ اس کی رعایت ہونی چاہئے۔ غرضیکہ مقتدیوں کی قوت برداشت کی رعایت بھی کرنی چاہئے۔

اسی طرح یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جب کسی مسجد میں دس یا پندرہ دنوں میں قرآن ختم ہو جاتا ہے تو لوگ تراویح میں سستی دکھانے لگتے ہیں حالانکہ تراویح میں صرف پورا قرآن سننا ہی ضروری نہیں ہے بلکہ مہینے بھر تراویح پڑھنا بھی سنت ہے لہذا بقیہ ایام میں بھی تراویح کا اہتمام کرنا چاہئے خواہ دوبارہ قرآن ختم کرنے کی صورت میں ہو یا سورہ تراویح کی شکل میں۔

آج کل ہمارے یہاں شبینہ رائج ہو گیا ہے یہ دبا بھی اچھی نہیں ہے کیونکہ اس میں قرآن اور نماز دونوں کا ادب و احترام بالکل نہیں ہوتا۔ نبی کریمؐ نے تو کم از کم تین دن میں قرآن ختم کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ لہذا یہ عمل بھی واجب الترک ہے۔

رمضان کے مہینے میں تلاوت قرآن، دعا و اذکار اور دیگر عبادات بھی بہت معیاری نہیں ہیں حالانکہ اس بابرکت مہینے کا تقاضا ہے کہ اعلیٰ سے اعلیٰ معیار تک پہنچنے کی کوشش ہو۔ تفصیلات میں نہ جا کر میں صرف نبی کریمؐ کا اسوہ آپ کے سامنے پیش کر دینا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ ہر ایک اس آئینے میں اپنے آپ کو دیکھ کر خود ہی اپنے بارے میں فیصلہ کرے۔ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ بخاری، مسلم، موطا امام مالک کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

"وَكَانَ مِنْ هَدْيِهِ صلى الله عليه وسلم فِي شَهْرِ رَمَضَانَ الإِكْثَارُ مِنْ أَنْوَاعِ الْعِبَادَاتِ وَكَانَ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يُدَارِسُهُ الْقُرْآنَ فِيْ رَمَضَانَ وَكَانَ إِذَا لَقِيَهُ جِبْرِيْلُ أَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيْحِ الْمُرْسَلَةِ وَكَانَ أَجْوَدَ النَّاسِ وَأَجْوَدُ مَا يَكُوْنُ فِيْ رَمَضَانَ يُكْثِرُ فِيْهِ مِنَ الصَّدَقَةِ وَالْإِحْسَانِ وَتِلَاوَةِ الْقُرْآنِ وَالصَّلٰوةِ وَالذِّكْرِ وَالْاِعْتِكَافِ۔

وَكَانَ يَخُصُّ رَمَضَانَ مِنَ الْعِبَادَةِ بِمَا لَا يَخُصُّ غَيْرَهُ بِهٖ مِنَ الشُّهُوْرِ حَتّٰى إِنَّهُ كَانَ لَيُوَاصِلُ فِيْهِ أَحْيَانًا لِيُوَفِّرَ سَاعَاتِ لَيْلِهٖ وَنَهَارِهٖ عَلَى الْعِبَادَةِ وَكَانَ يَنْهٰى أَصْحَابَهٗ عَنِ الْوِصَالِ فَيَقُوْلُوْنَ لَهٗ إِنَّكَ تُوَاصِلُ فَيَقُوْلُ: لَسْتُ

كَهَيْئَتِكُمْ إِنِّي أَبِيتُ وَفِي رِوَايَةٍ إِنِّي أَظَلُّ عِنْدَ رَبِّي يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِي

(زاد المعاد ج ۲ ص ۳۲)

"رمضان کے مہینے میں نبی کریمؐ کا طریقہ یہ تھا کہ آپ ہر طرح کی عبادات کثرت سے بجالاتے تھے۔ جبریلؑ رمضان میں آپ کو قرآن کی تعلیم دیتے اور جب جبریلؑ کی ملاقات آپ سے ہو جاتی تو آپ کی فیاضی تیز ہوا سے بھی زیادہ بڑھ جاتی حالانکہ آپ سب سے زیادہ سخی انسان تھے لیکن رمضان میں اور بھی زیادہ سخی ہو جاتے۔ اس مہینے میں صدقہ، احسان، تلاوت قرآن، نماز، ذکر اور اعتکاف ہر چیز میں اضافہ ہو جاتا۔

رمضان میں عبادت کا آپ اس قدر خصوصی اہتمام فرماتے کہ ویسا اہتمام دوسرے مہینوں میں دیکھنے کو نہ ملتا۔ یہاں تک کہ بسا اوقات آپ متواتر روزے رکھتے تاکہ دن و رات کے زیادہ سے زیادہ اوقات عبادت الٰہی کے لئے میسر آسکیں حالانکہ آپ صحابہ کرام کو متواتر روزے سے روکتے تھے اور جب صحابہ عرض کرتے کہ آپ تو متواتر روزے رکھتے ہیں تو فرماتے کہ میں تمہاری طرح نہیں ہوں میں رات گذارتا ہوں اور ایک روایت میں ہے کہ میں اپنے رب کے پاس ہوتا ہوں اس حال میں کہ وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔

مندرجہ بالا بے اعتدالیاں اور بے احتیاطیاں ہی وہ اسباب ہیں جن کی وجہ سے روزے اپنا اثر نہیں دکھاتے اور ہماری زندگیوں میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی لیکن اس سے یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہئے کہ جب کوئی فائدہ نظر نہیں آتا تو پھر روزہ رکھنا ہی چھوڑ دینا چاہئے۔ نہیں، ہرگز نہیں۔ بلکہ پھر بھی روزہ رکھنا چاہئے کیونکہ نفس روزہ تو ہو ہی جاتا ہے اگرچہ نہایت ادنیٰ درجہ کا جیسا کہ اندھا، لنگڑا، کانا، گنجا، اپاہج آدمی ہوتا ہے مگر ناقص درجہ کا اور بالکل روزہ نہ رکھنا تو اس سے بھی زیادہ بری اور سخت بات ہوگی کیونکہ ذات کا سلب صفت کے سلب سے زیادہ سخت اور برا ہوتا ہے۔ لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ان بے اعتدالیوں اور بے احتیاطیوں سے بچا جائے تاکہ صحیح معنوں میں ہم روزے کے ثمرات و برکات سمیٹ سکیں اور ہمارے اندر واقعی "التقویٰ" پیدا ہو جائے۔ جو اللہ تعالیٰ روزے کے ذریعے ہمارے اندر پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنِي وَسَائِرَ الْمُسْلِمِيْنَ۔

بڑے بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے

صوفی منقاد الدین زجاجی نے گرم گرم چائے کی سموچی کیتلی ہی اپنے مد مقابل کے سر پر دے ماری۔ مرزا ثرالکت علی درّانی نے اس کا جواب اسٹول کو ہوا میں لہرا کر صوفی منقاد پر کسی قہر سلطانی کی طرح برسایا پھر تو وہ دھما چوکڑیاں مچیں کہ بیان سے باہر۔ چشم زدن میں پورا چائے خانہ گل و گلزار اور چمن لالہ زار بن گیا۔ چائے خانے کے مالک چچا جگجن کی عاقبت دیدنی تھی۔ وہ کمر پہ ہاتھ رکھے صوفی و مرزا کے ساتوں پشتوں کی شان میں دھکا دھک وہ وہ قصیدے پڑھ رہا تھا کہ جس سے کان شرما کر ناک سے عشق لڑا بیٹھیں۔ چچا جگجن کا موقف معقول ہی لگ رہا تھا بایں طور کہ جب اس نے چائے خانے کے صدر دروازے پر جلی حروف میں یہ بورڈ لگوا رکھا ہے کہ "چائے خانے میں چندے سے متعلق گفتگو کرنا ممنوع قطعی ہے" تو صوفی و مرزا نے نظم میخانہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے چندے پر بحث کیوں چھیڑ ماری۔ صوفی کا اصرار تھا "جامعہ بحرالعلوم کی جانب سے چندے پہ اس بار کویت میں جاؤں گا۔ جبکہ مرزا کی ضد تھی "ذمہ داران سے میری بات پکی ہو چکی ہے۔ تم کیا جاؤ گے؟ اس بار کویت میں جاؤں گا۔"

کبھی کبھی مجھ جیسے حقیر فقیر کے نازک دل میں یہ خیال چوکڑیاں بھرتا ہے کہ یہ تعلیمی ادارے خاص طور پر دینی مدارس سرے سے ہوتے ہی نہیں یا باقی پلان ختم کر دیے جاتے تو کتنا اچھا ہوتا پھر نہ ہوتا بانس نہ بجتی بانسری بنتیجۃً معصوم و مرحوم یعنی کہ قابل رحم صوفی و مرزا میں گھمسان کی نہ چھڑتی —— لیکن پھر جب تربیت و تزکیہ اور تعلیم و تعلم کی اہمیت و افادیت کی جانب نظر ڈالتا ہوں تو ان کے وجود و ضرورت کا معترف ہونے کو جی چاہتا ہے —— مگر پھر صوفی و مرزا کے نورانی چہروں پر نظر پڑتے ہی طبیعت مکدر

ہونے لگتی ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں، امید و بیم کی تصویر بن کر رہ گیا ہوں میں۔

—— لہٰذا دل میں یہ خیال آتا ہے کہ کیوں نہ اس ذہنی کشمکش سے نجات حاصل کرنے کے لئے ایک سیمینار ہی منعقد کروا ڈالوں جس کا عنوان کچھ اس طرح ہو "دینی مدارس کی اہمیت و ضرورت چندے اور چندہ دین کے تناظر میں" یا "دینی مدارس کی تعمیر و ترقی میں چندے کا رول" وغیرہ —— مگر مشکل یہ ہے کہ چندے کے بغیر سیمینار بھی منعقد نہیں ہو سکتا۔ سیمینار کے انتظام و انصرام میں اس کی ضرورت ناقابل تردید حقیقت بن چکی ہے اور خیر سے اب مقالہ نگار حضرات کا انجن پٹرول بھی مانگنے لگا ہے۔

ویسے کچھ بھی ہو چندہ کرنا ہر کس و ناکس کے بس کا روگ نہیں اس کیلئے حد درجہ مشق و ممارست، اس کی ہر ہر جزئیہ و کلیہ میں بدرجۂ تمام مہارت مزید برآں ہر ہر قدم پر بے پناہ جرأت و شجاعت کی ضرورت ہے —— اسی لئے تو صوفی تمکین کہتے ہیں "چندہ کرنا بھی ایک طرح کا جہاد ہے" میں تو اس سے بڑھکر یہاں تک کہنے کو تیار ہوں کہ چندہ کرنا جہاد سے بھی زیادہ مشکل کام ہے بایں طور کہ جہاد میں یقینی حکم کے بعد شہادت کی آرزو کے ساتھ بندہ ہاتھ میں تلوار لے اور دیوانہ وار لڑتا ہوا شہید ہو جائے اور بس مگر جناب! چندے میں، علم محکم بھی ہو عمل پیہم بھی ہو، فنکار بھی ہو اور ملکۂ تفنن سے سرشار بھی، تندرست بھی ہو اور سقیم بھی نیز ملکۂ تمارض کا علیم بھی، تکلیف سے دور ہو مگر تکلف سے بھرپور ہو، مکروہات سے بظاہر منقطع ہو پر مکر و فریب کا مرقع ہو، جرأت و بہادری کا یہ عالم ہو کہ جہاں حالات سازگار ہوں وہاں خوب طرم خانی دکھائے پر جہاں معاملہ سنگین ہو وہاں دُم دبا کر پتلی گلی سے نکلتا بنے، زہد کا یہ عالم ہو کہ کھائے آلو اور کاغذ پر دکھائے انڈا غرض کیا کیا لکھوں چندے کے لئے تو امرء القیس کے گھوڑے کی طرح جامع کمالات ہستی درکار ہے ایسے ہیرے تو خال خال ہی نظر آتے ہیں کیونکہ بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا۔

کسی سال کا واقعہ ہے۔ حافظ قندیل اور صوفی تمکین ہاتھ دھوکر میرے پیچھے پڑ گئے کہ تمہیں جامعہ نور الانوار نقشبندیہ کی طرف سے چندے کے لئے بھیجا جا رہا ہے۔

میں نے لاکھ ہاتھ پیر مارا مگر انہوں نے ایک نہ سنی۔ انہوں نے مجھے دھمکی دی "اخوی! اگر تو نہیں مانے گا تو حضرت جی سے ایسی بددعا دلوا دیں گے کہ مودودی بن جائے گا۔ مودودیوں کو پوری زندگی کہیں سکون نہیں ملتا، آخرت میں بھی ادھر اُدھر مارے پھریں گے انہیں جہنم تک میں جگہ نہیں ملے گی" —— میں کانپ گیا۔ مرتا کیا نہ کرتا —— میں نے دبی زبان میں عرض کیا، ایک آدمی اور ساتھ ہوتا تو سفر میں اچھا ہوتا۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے، مولوی ہُدہُد تمہارے ساتھ جائیں گے —— ساتویں رمضان کو ہم نے رختِ سفر باندھا۔ ٹرین شام چار بجے پکڑنی تھی۔ مولوی ہُدہُد مصر ہو گئے کہ روزہ توڑ دیا جائے۔ شریعت میں رخصت ہے اور رخصت سے فائدہ نہ اٹھانا موجب گناہ ہے۔ میں نے انہیں کسی طرح منایا کہ آج رکھ لو کل سے توڑیں گے۔ بہرحال وہ بڑی مشکل سے مانے —— وقت موعود آ پہنچا۔ ہم ٹرین پر سوار ہوئے۔ رزرویشن ڈبہ بھی چالو ڈبہ کا دادا نکلا۔ اتنی رش کہ بیان سے باہر۔ کہیں تل دھرنے کی جگہ نہیں۔ —— خیر کسی طرح برتھ ملی —— ٹرین چلی —— ہوا میں خنکی بڑی اچھی لگ رہی تھی۔ خیر سے آسمان بھی ابر آلود تھا —— اب فکر یہ تھی کہ افطار کی تیاری کر لی جائے —— مولوی ہُدہُد نے بھاگ دوڑ کر خاصا پُر تکلف افطار فراہم کر ڈالا —— وقت اور نازک ہوا —— اب انتظار کی گھڑی شروع ہو گئی —— ابر کی وجہ سے سورج کا صحیح اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا —— تھوڑی دیر بعد اچانک مولوی ہُدہُد چیخے! "وہ دیکھو، اذان ہو رہی ہے، روزہ کھولو" ہم نے خوب ڈٹ کر افطار کیا —— افطار کے بعد میں نماز کے لئے سیدھا ہوا —— کلی کی پیک مارتے جو میں کھڑکی پر جھکا تو اچانک چونک کر بیٹھ گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ سورج ایک چھوٹے سے ابر کے پیچھے سے جھانکتے ہوئے بس غروب ہوا چاہتا ہے —— میری کھوپڑی ناچ گئی —— میں نے گرج کر کہا ہُدہُد ادھر آؤ —— وہ لڑھکتے ہوئے پہنچے —— میں نے کہا وہ کیا ہے؟ وہ سورج کو دیکھکر سہم گئے —— میں نے کہا کہاں اذان ہو رہی تھی؟ —— مولوی ہُدہُد سر کھجاتے ہوئے بولے معاف کر دو، غلطی ہو گئی، کمبخت ٹرین والے بھی ایسی سیٹی

بجاتے ہیں جیسے اذان ہو رہی ہو

بدقسمتی سے ہماری برتھ کے سامنے اوپر والی برتھ پر ایک دوشیزہ اپنا جال بال پھیلائے ہوئے تھیں۔ اس کا احساس تو مجھے اس وقت ہوا جب ایک بار مولوی ہُد ہُد انگور کا گچھا ہاتھ میں دبائے، جھینپے جھینپے سے کہہ رہے تھے "محترمہ اشغول فرمائیے" — میرا ماتھا ٹھنکا مگر میں کچھ نہ بولا — ایک مولوی کو میں کیا سمجھاتا — کچھ دیر بعد میں نے چادر تان دی۔ رات بھی کسی قدر ہو گئی تھی — ٹرین میں پتہ نہیں کیوں مجھے نیند ٹھیک طرح نہیں آتی — کچھ دیر بعد میرے کان کھڑے ہو گئے — مولوی ہُد ہُد اور محترمہ کچھ راز و نیاز کی باتیں کر رہے تھے — میں اونٹ کر رہ گیا — مگر لیٹا بیدار رہا — نہ جانے کب مجھے نیند لگ گئی — صبح نیند کھلتے ہی چونک کر اٹھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ہُد ہُد اور محترمہ غائب ہیں — سامان کا جائزہ لیا تو پتہ چلا کہ مولوی ہُد ہُد اپنا سامان لے کر بھاگ گئے ہیں اور شومئی قسمت مدرسے کی روداد اور رسیدیں انہیں کے سامان میں تھیں — مجھے ہُد ہُد پر بڑا تاؤ آیا مگر میں کر بھی کیا سکتا تھا — سب سے بڑی فکر تو یہ تھی کہ اب بمبئی پہنچ کر میں کیا کروں اور کہاں جاؤں — حسن اتفاق میری پاکٹ ڈائری میں میرے ایک خالہ زاد بھائی کا پتہ نکل آیا — وہ بمبئی میں بڑا اچھا دھندا کرتے تھے — انہوں نے بار بار مجھے بمبئی آنے کی دعوت دے رکھی تھی — اور یہ بھی عجیب اتفاق ہی تھا کہ آج تک ان سے میری براہ راست ملاقات نہیں ہو سکی تھی یعنی کہ شکلاً نہ وہ مجھے پہچانتے تھے اور نہ میں انہیں — پتہ پوچھتے پوچھتے کسی طرح میں انکی دوکان تک پہونچا۔ میں نے دوکان میں قدم رکھا ہی تھا کہ وہ للکارے "مولانا معاف کرنا میرے کو خدا کے لئے" میں سہم کر کھڑا ہو گیا۔ وہ بڑبڑا رہے تھے۔ "اللہ بچائے ان مولویوں سے۔ جسے دیکھو بس رسید چھپوائے گھوم رہا ہے — محنت و مشقت سے کمانے کھانے میں ان کی نانی مرتی ہے۔ ایک مولوی دو دو مدرسے کی رسیدیں لئے گھومتا ہے جبکہ موقع پر نہ کوئی مدرسہ ہے نہ مدرسہ۔ یہ سب دھوکے باز جعلساز ہوتے ہیں اور پھر گرج کر بولے "ارے او مولانا کہہ دیا نا کہ معاف کرو۔ کیا تیرے کو سنائی نہیں دیتا ہے" — میں ہمت باندھ کر کچھ بولنا ہی چاہتا تھا کہ انھوں نے

نوکر کو دوڑایا کہ اس مولانا کو دھکا مار کر نیچے گرا دے — نوکر دوڑتا ہوا میرے پاس آیا اور اس نے مجھے دھکیل دیا — میں لڑکھڑاتا نیچے پہونچا — میں نے بمشکل تمام کہا بھائی! صرف ایک بات سن لو — نوکر نے کہا مولانا کیا کہتا ہے کہہ، اچھا کہہ — میں نے کہا سیٹھ سے کہہ دے کہ یہ مولانا چندہ والا مولانا نہیں ہے بلکہ تیرا خالہ زاد بھائی لقّوی ہے — یہ خبر سنتے ہی وہ بھاگتے ہوئے آئے اور مجھ سے لپٹ گئے اور پھر اتنے شرمندہ ہوئے اور اتنی معافیاں مانگیں کہ مجھے معاف کرتے ہی بنی — وہ دن اور آج کا دن پھر میں نے کبھی رمضان میں بمبئی کا رخ نہیں کیا۔

گذشتہ سے پیوستہ سال جامعہ بحر العلوم کے اساتذہ نے خلیجی ممالک تک میں چھلانگ ماری تھی — ان کا سوچنا تھا — اور انکی سوچ معقول ہی تھی — کہ بمبئی اور کلکتہ میں چندہ بھی کم ہوتا ہے اور محنت بھی زیادہ کرنی پڑتی ہے یعنی کہ یہاں "قطرہ قطرہ دریا می شود" ہوتا ہے کیوں نہ باہر جاکر قسمت آزمائی کی جائے ہو سکتا ہے وہاں "چھپّن کروڑ کی چوتھائی" ہاتھ آ جائے — اور پھر وہ باہر اڑ کر گئے بھی — توقع سے کہیں زیادہ انہیں کامیابی ہاتھ لگی — ایک ایک آدمی دس دس لاکھ لے کر لوٹا — مدرسے والوں کو خوش ہو کر خود ہی تین چار لاکھ اساتذہ کو بطور نذرانہ دینا چاہئے تھا تاکہ انکی ہمت افزائی ہوتی اور اگلے سال وہ اور محنت سے بٹور کر لاتے، مگر وہ مُصر ہو گئے کہ اساتذہ صرف ڈبل تنخواہ لیں۔ ادھر اساتذہ کی ضد تھی کہ ہم آدھا آدھا لیں گے — پھر اساتذہ اور انتظامیہ میں خوب خوب نوک جھونک ہوئی۔ آخر کار اساتذہ نے ہمت کی۔ انہوں نے سوچا حق مانگنے سے نہیں چھیننے سے ملتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر ہمیں آدھا آدھا نہیں دیا جاتا تو ہم سب رکھ لیتے ہیں مدرسے کو کچھ نہیں دیں گے۔ مدرسہ ہمارا کیا بگاڑ لے گا — اور پھر انتظامیہ کو گھٹنے ٹیک دینے پڑے۔ بالآخر فتح حق ہی کی ہوتی ہے — اب اساتذہ نے پانچ پانچ لاکھ جو پایا تو کسی نے کار خریدا کسی نے ٹریکٹر کسی نے کھیت خریدا، کسی نے باغ اور کسی نے گھر بنوایا اور کسی نے دوکان — اب وہ کپڑے بھی با عزت پہننے لگے۔ لمبی شیروانی پر اونچی ٹوپی لگا کر جب وہ باہر نکلا

نکلتے ہیں تو جامعہ بحر العلوم کے مدرس کے بجائے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے پروفیسر لگتے ہیں۔

جامعہ بحر العلوم کے مدرسے سے زیادہ اس کے اساتذہ کی کامیابی دیکھ کر پچھلے سال ایک جم غفیر خلیجی ممالک دوڑ پڑا تھا —— جامعہ بحر العلوم کے علاوہ جامعہ نورالانوار نقش بندیہ، مدرسہ الٰہی بخش رضویہ، جامعہ ملک فہد سلفیہ، جامعہ کنز العلوم، مدرسہ گہوارہ علم و ادب، مدرسہ مخدوم العلوم اور مدرسہ اثریہ سلفیہ وہابیہ وغیرہ وغیرہ کے اساتذہ کے ساتھ ساتھ لاتعداد و بے شمار سوسائٹیوں کے صدور و سکریٹری نیز بڑی ایسے بہتیرے مدارس اور سوسائٹیوں کے نمائندے کہ جن کا وجود کم از کم زمین پر تو نہیں تھا، اسناد و نقول، نقشہ و اسٹیمیٹ، تعارف و تفصیلات اور فلک شگاف عمارتوں کی دیدہ زیب تصاویر کے ساتھ دہاڑتے ہوئے تھے ——
محصّلین امت، داعیان حق اور اسلامی جفاکشوں کا یہ جتھہ للہ فی اللہ خلیج میں مختلف سونے کی چڑیوں کی خاک چھانتا دبئی پہنچا —— چھوٹی سی جگہ دبئی میں انکی آمد سے ہلچل مچ گئی —— حکومت کے پہلے تو کان کھڑے ہوئے پھر بازو —— اس نے پورے دبئی میں سی آئی ڈی چھوڑ رکھے تھے —— ادھر یہ اکابرین ملت مارے خوشی کے یہ بھول گئے کہ یہاں چندہ کرنا قانوناً جرم ہے —— کسی جگہ یہ کسی شیخ کو مرغا بنا رہے تھے کہ خفیہ پولیس نے انہیں آدبوچا —— بہت ساروں کا تو پیشاب خطا ہو گیا —— حکومت نے جیل میں ڈال دیا —— ان زعماء ملت میں حافظ قندیل، صوفی غمگین، مرزا زرد، مولوی باب اللہ سلفی، قاری ستمگر، صوفی انکار علی اور حافظ موئی بس کر وغیرہ سر فہرست تھے —— کسی خدا ترس شیخ کو ان پر ترس آگیا —— انہوں نے اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے کسی طرح انہیں رہائی دلائی —— حکومت نے انہیں اس شرط اور اس دھمکی کے ساتھ چھوڑا کہ چوبیس گھنٹے کے اندر اندر متحدہ عرب امارات چھوڑ دیں ورنہ حبس دوام کی سزا دی جائے گی —— اندھے کو کیا چاہئے؟ —— دو آنکھیں —— موقعہ پاتے ہی یہ دم دبا کر وہاں سے ایسا بھاگے کہ پھر پانم ہوائی

اڈے ہی پر آکر سانس لیا —— واپسی پر صوفی غمگین سے میری ملاقات ہوئی۔ وہ بہت جھینپ رہے تھے —— میں نے کہا میاں اس میں شرمندگی کی کیا بات ہے غالب کی طرح فخر سے کہو "بڑے بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے" —— میرے اس جملے پر صوفی غمگین مزید اور غمگین ہو گئے۔

ماہر علوم اسرار، استاذ بزرگوار حضرت علامہ گیسو دراز دامت برکاتہم نے اس سال ایک سوسائٹی تشکیل فرمائی ہے۔ الحمدللہ پروجیکٹ بہت وسیع و ہمہ گیر ہے۔ اس کے ہمہ جہتی استحکام کے لئے اس سال وہ خلیجی ممالک کا دورہ کر رہے ہیں۔ ان کا حکم ہے "لغوی! اس سال دورے پر تم بھی ساتھ رہو گے"۔ استاذ کی حکم عدولی کرنا قعر مذلت میں گرنے سے کم نہیں، لہٰذا انکار کی مجال کہاں —— میں بھی سوچتا ہوں کہ اسی بہانے ایک عمرہ ہی سہی —— لہٰذا معزز قارئین! میرے لئے دعا فرمائیں کہ رب العزت مجھے ان آزمائشوں سے محفوظ رکھے جن سے مولوی ہُدہُد اور صوفی غمگین دو چار ہو چکے ہیں تاکہ اگلے کالم میں آپ سے وقت پر ملاقات ہو سکے۔ لغوی زندہ صحبت باقی۔

حمد

ادریس ضیاء
کلاتھ مارکیٹ، اعلیٰ پور (بدایوں)

بس وہی گراتا ہے روز و دن کے پردوں کو — ماہتاب دیتا ہے جو سیاہ راتوں کو
اتنی وسعتیں تیری بخشش جہت بہ جہت پھیلی ہیں — کیا دکھائی دے اپنی چھوٹی آنکھوں کو
کیں حفاظتیں کس نے غار میں محمدؐ کی — بے نشاں کیا کس نے ابرہہ کی فوجوں کو
کس کی ہے یہ فنکاری خوشنما گلابوں میں — کون جنم دیتا ہے تتلیوں کے ڈھنگوں کو
جھوم کر شجر سارے تیری حمد گاتے ہیں — گیت تیری عظمت کے یاد ہیں پرندوں کو
ڈھک دے اپنی رحمت سے بے لباسیاں میری — تو لباس دیتا ہے پیڑوں کی شاخوں کو

از حکیم وسیم احمد اعظمی*

ابن وافد ــــ اندلس کا ایک ممتاز طبیب

ابوالمطرف عبدالرحمن بن محمد بن عبدالکبیر[1] بن یحییٰ بن وافد بن مہند[2] اللخمی الوزیر[3] ــــ اندلس کے ایک معزز، قدیم خانوادے سے تعلق رکھتا تھا، اس کے آباء واجداد کی قومی وملکی خدمات کے تذکرے اس عہد میں مشہور تھے[4]۔

ابن وافد (جس کو مغرب میں "ABEN GUEFIT" لکھا جاتا ہے) کو فقہ، فلسفہ، طب اور فلاحت میں نہ صرف غیر معمولی مہارت حاصل تھی بلکہ ان علوم وفنون میں اس کی کاوشیں اجتہاد کی شان رکھتی ہیں۔

سنہ ولادت

ابن وافد کے سنہ پیدائش ووفات کی تعیین میں مورخوں اور تذکرہ نگاروں میں بہت اختلاف ہے، قرب زمانہ کے اعتبار سے زیادہ مستند اور قدیم تر ماخذ "طبقات الامم" میں اس کا سنہ ولادت، مہینے کی تعیین کے بغیر ۳۸۹ھ تحریر ہے[5]، اس سنہ کی تعیین ابن وافد نے خود طبقات الامم کے مولف قاضی ابوالقاسم صاعد بن احمد اندلسی (وفات ۴۶۲ھ/۱۰۷۰ء) سے ایک ملاقات میں کی تھی[6]۔ دوسرے قدیم ماخذ "تاریخ الحکماء" میں مہینے کی صراحت کے ساتھ ذی الحجہ ۳۸۹ھ تحریر ہے[7]، یہی صراحت تکملہ میں بھی ہے[8]، عیون الانباء فی طبقات الاطباء میں ماہ ولادت کی تعیین کرتے ہوئے ذی الحجہ تحریر ہے تاہم سنہ ولادت ۳۸۷ھ لکھا گیا ہے[9]۔ یہاں اس امر کی وضاحت کر دی جائے کہ عیون الانباء فی طبقات الاطباء کے مولف موفق الدین ابوالعباس احمد بن القاسم بن خلیفہ بن یونس السعدی الخزرجی المعروف بہ ابن ابی اصیبعہ (وفات ۶۶۸ھ/۱۲۷۰ء) نے ابن وافد کی کتاب الادویہ کے بارے میں قاضی صاعد بن احمد اندلسی کی رائے کو صراحت کے ساتھ ترجیحی انداز میں نقل کیا ہے[10] لیکن سنہ ولادت

* مکان ۱۱۱، گلی ۱۵، نور نگر، جامعہ نگر، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

کی بابت قاضی صاعد کی رائے اور ابن وافد سے ملاقات میں سنہ کی تعیین کے واقعے سے صرف نظر کیا ہے[11]۔ بعد کے تذکروں، طبقات الامم اور تاریخ کی کتابوں میں کہیں تو قاضی صاعد کی رائے اپنائی گئی ہے اور کہیں جمال الدین ابوالحسن علی بن یوسف القفطی اور ابن ابی اصیبعہ کی۔ چنانچہ خیر الدین الزرکلی نے ۳۸۹ھ/۹۹۹ء، عمر رضا کحالہ نے ماہ ذی الحجہ ۳۸۹ھ/۹۹۹ء[12]، لوئس معلوف الیسوعی نے ۹۹۹ء[13] ای۔ بی کرومیہلد نے ۹۹۷ء[14] لکھا ہے، اردو کے طبی تذکروں اور تاریخ طب کی کتابوں میں ابن ابی اصیبعہ کے قول کو اہمیت کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، چنانچہ حکیم غلام جیلانی (وفات ۱۹۲۶ء)، حکیم سید محمد حسان نگرامی اور حکیم سید شہاب الحق نے عیون الانباء فی طبقات الاطباء میں مذکور سنہ ولادت تحریر کیا ہے[16]، البتہ سنہ عیسوی کی تخریج میں حکیم سید شہاب الحق سے تسامح ہوا ہے چنانچہ وہ سنہ ولادت ۳۸۷ھ مطابق ۹۹۶ء تحریر کرتے ہیں[17] جب کہ اول الذکر دونوں مورخ ۳۸۷ھ مطابق ۹۹۷ء لکھتے ہیں[18]۔ حکیم سید علی احمد نیر واسطی (وفات ۱۹۸۴ء) سنہ ولادت ۳۸۷ھ/۱۰۶۲ء تحریر کیا ہے[19]، اس مرحلے میں حکیم نیر واسطی جیسے مورخ اور ترجمان طب سے زبردست تسامح ہوا ہے، کیونکہ بیشتر حوالوں میں ۴۶۷ھ سنہ وفات کے طور پر ملتا ہے یہ تسامح سنہ ہجری کے تناظر میں سنہ عیسوی کی تخریج میں واضح طور پر ملتا ہے۔

سنہ وفات

سنہ پیدائش کی طرح ابن وافد کے سنہ وفات کی تعیین میں بھی مورخین اور تذکرہ نگار مختلف الرائے ہیں، اول الذکر دونوں قدیم ماخذ (طبقات الامم (قاضی صاعد بن احمد اندلسی) تاریخ الحکماء (جمال الدین ابن القفطی) میں سنہ وفات تحریر نہیں ہے، کیونکہ بعض تذکروں کے مطابق قاضی صاعد کی وفات ابن وافد سے پہلے ہو گئی تھی) ابن ابی اصیبعہ نے ۴۶۰ھ میں عبدالمامون بن ذی النون تک زندہ رہنے کی بات لکھی ہے[20]، تعیین ان کے یہاں بھی نہیں ہے، کتاب التکملۃ لکتاب الصلۃ مولفہ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن ابوبکر بن عبداللہ بن عبدالرحمن بن احمد بن ابوبکر القضاعی المعروف بہ ابن الابار (وفات ۶۵۸ھ/۱۲۶۰ء) میں وضاحت کیا تھا

یوم جمعہ ۱۰ رمضان المبارک ۴۶۷ھ تحریر کیا ہے۔ خیر الدین الزرکلی اور عمر رضا کحالہ نے دن اور مہینے کی تعیین کے بغیر ۴۶۷ھ/۱۰۷۴ء لکھا ہے عمر فروخ نے ۴۶۰ھ تحریر کیا ہے لوئس معلوف الیسوعی نے ۱۰۶۵ء اور ای۔ بی کرومبہار نے ۱۰۷۴ء لکھا ہے
تاریخ طب کی اردو کتابوں میں ابن ابی اصیبعہ کے قول کو ترجیحی طور پر اختیار کیا گیا ہے چنانچہ حکیم غلام جیلانی (مخزن الجواہر، تاریخ الاطباء) حکیم سید حسان نگرامی (تاریخ طب) اور حکیم سید شہاب الحق (تاریخ طب و اخلاقیات) نے بھی ۴۶۷ھ لکھا ہے بسنہ عیسوی کی تخریج کرتے ہوئے اول الذکر دونوں مورخین نے ۱۰۷۴ء لکھا ہے اس کے برخلاف آخر الذکر (حکیم سید شہاب الحق) نے ۱۰۷۵ء تحریر کیا ہے، جو پہلی نظر میں ہی نادرست معلوم ہوتا ہے۔

حالات زندگی

ابن وافد کی ابتدائی زندگی کے حالات کے بارے میں تذکرے وافر مواد فراہم نہیں کرتے، ہاں اس قدر ضرور ملتا ہے کہ اس کی پیدائش طلیطلہ میں ایک قدیم صاحب حیثیت گھرانے میں ہوئی جب وہ کچھ بڑا ہوا تو حصول علم کی غرض سے قرطبہ چلا گیا اور وہاں فن جراحت کے ماہر ابوالقاسم خلف بن عباس زہراوی (وفات ۴۰۴ھ، کافی اختلاف ہے) سے وابستہ ہو کر علم طب سیکھتا رہا پھر اپنے وطن طلیطلہ واپس لوٹ آیا۔

علمی مقام

ابن وافد، طب کے علمی و عملی دونوں شعبوں سے دل چسپی رکھتا تھا اس کے علاوہ فقہ، فلسفہ اور فلاحت وغیرہ پر بھی وسیع نظر رکھتا تھا تاہم اس کا اصل میدان مفردات بالخصوص نباتی مفرد دوائیں تھا، بایں ہمہ مرکبات پر بھی گہری نظر رکھتا تھا۔ اس نے اس موضوع کی اہم ترین تصنیفات، خاص طور سے دیسقوریدوس (وفات دوسری صدی عیسوی) کی کتاب الحشائش اور جالینوس (وفات ۲۰۰ء یا ۲۰۱ء) کی ادویہ کی کتابوں کا بنظر غائر مطالعہ کیا اور بقول حکیم سید محمد حسان نگرامی "دیسقوریدوس کی کتاب الحشائش اور جالینوس کی الادویۃ المفردہ کا عربی متن اسے زبانی یاد ہو گیا تھا"
فلسفہ پر بھی ابن وافد کا مطالعہ وسیع تھا۔ اس نے ارسطو اور دوسرے فلسفیوں کی

کتابوں کا دقت نظر کے ساتھ مطالعہ کیا اور ان کی فکریات کی تحلیل کی، بالآخر اس میدان میں بھی ممتاز رہا[۳۵]

ابن وافد کو بحیثیت معالج بھی منفرد مقام حاصل تھا وہ کچھ عرصہ بیمارستان طلیطلہ میں حکیم باشی بھی رہا اس کے کلینکی واقعات بہت مشہور ہیں ——
ابن وافد کو علاج بالدوا میں اختصار کے مذہب کا بانی کہنا غلط نہ ہوگا، قاضی صاعد بن احمد اندلسی، جمال الدین ابن القفطی اور ابن ابی اصیبعہ (وغیرہ) نے تکرار کے ساتھ اس کے پسندیدہ طریقۂ علاج اور مسلک کا تذکرہ کیا ہے چنانچہ ابن وافد کے ملاقاتی قاضی صاعد بن احمد اندلسی لکھتے ہیں۔

"جہاں تک غذا سے علاج کرنا ممکن ہوتا وہ کبھی دوا سے علاج نہیں کرتا اور اگر ادویہ کی ضرورت پیش آتی تو جہاں تک مفرد دواؤں سے علاج ہو سکتا وہ مرکبات کبھی استعمال نہیں کرتا اور مرکبات کی ضرورت لاحق ہوتی ہے تو حتی الامکان کم سے کم دواؤں کا مرکب تیار کرتا ہے"[۳۹]

اس کے بعد لکھتے ہیں۔

"سخت اور خطرناک امراض کے آسان اور سہل ترین طریقہ علاج سے متعلق ان کے عجیب و غریب تجربات مشہور ہیں"

حکیم سید علی احمد نیر واسطی نے علاج کے اسی تناظر میں لکھا ہے

"یہی مذہب اختصار ہے جس پر آج مغرب عمل پیرا ہے اور جس قدر دنیا میں طب اور علم الادویہ کا مطالعہ وسیع ہوتا جائے گا اس مذہب کی اہمیت بڑھتی جائے گی"

ابن وافد کی شخصیت اور فن پر اس کے استاذ ابوالقاسم خلف بن عباس زہراوی کے اثرات ضرور مرتب ہوئے ہوں گے، عین ممکن ہے اس کو جراحت میں بھی کمال حاصل رہا ہو۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ تذکروں اور طبی تاریخ کی کتابوں میں جراحت سے متعلق اس کی غیر معمولی واقفیت کے واقعات نہیں ملتے، ہو سکتا ہے اس کی تصنیفات میں اس موضوع پر بھی مواد موجود ہو، جو سردست فراہم نہیں ہو سکی ہیں۔

ابن وافد کو فلاحت اور باغبانی سے بھی خاص شغف تھا، اس کے پس منظر میں عقاقیر اور مفرد دواؤں سے اس کی غیر معمولی واقفیت اور عملی تجربہ کارفرما تھا، فلاحت اور باغبانی کے بارے میں اس کا شہرہ اس قدر تھا کہ المامون بن ذی النون (ملوک الطوائف اندلس میں سے ایک) نے اپنے باغ کی شجرکاری کا اس کو نگراں و ذمہ دار مقرر کیا تھا[24]۔

ابن وافد کو طلیطلہ میں منصب وزارت بھی تفویض ہوا تھا اور وہ اخیر تک اس اہم عہدے پر فائز رہا[25]۔ اس منصب پر اس کو اس قدر شہرت حاصل ہوئی کہ بعض تذکرہ نگاروں نے اس کے نام کے ساتھ "الوزیر" لکھنا ضروری تصور کیا[26]۔

جیسا کہ ہم نے سابق میں لکھا ہے کہ ابن وافد کا اصل میدان ادویہ مفردہ تھا اور اس سے آگہی کے اثرات اس کی دوسری مصروفیتوں اور دلچسپیوں پر بھی پڑے، اس کی معالجاتی سرگرمیوں، خاص طور سے دواؤں کے انتخاب میں غیر معمولی اختصار اسی فن سے آگہی کا رہین ہے۔ قاضی صاعد بن احمد اندلسی لکھتے ہیں۔

"ادویۂ مفردہ کے علم میں جو دستگاہ اس کو حاصل ہے اس کے معاصرین میں سے کسی کو نصیب نہیں ہوئی"[27] آگے لکھتے ہیں۔

"اس (ادویہ مفردہ) موضوع پر اس کی ایک معرکۃ الآرا اور بے نظیر کتاب ہے جس میں اس نے تمام دواؤں کو جو کتاب دیسقوریدوس (کتاب الحشائش) اور کتاب جالینوس (الادویۃ المفردۃ) میں مذکور ہیں جمع کر دیا ہے اور اس کو عمدہ طور پر مرتب کیا ہے جو تقریباً پانچ سو اوراق پر مشتمل ہے ۔۔۔ اس نے خود مجھ سے بیان کیا ہے کہ اس نے اس کتاب کی جمع و ترتیب، اسماء و صفات ادویہ کی تصحیح، قویٰ ادویہ کی تفصیل اور ان کے درجات کی تحدید وغیرہ میں بیس سال صرف کر دیئے یہاں تک کہ اس کو ضرورت اور مقصد کے مطابق مکمل کریں"[28]۔

ابن وافد کی یہ کتاب میرے ذرائع معلومات کے مطابق ابھی تک شائع نہیں ہوئی ہے ۔۔۔ اس کتاب کے حوالے مشہور ماہر نباتات ابومحمد عبداللہ بن احمد ضیاء الدین ابن بیطار (وفات ۶۴۶ھ/۱۲۴۸ء) نے اپنی کتاب الجامع لمفردات

الادویۃ والاغذیہ میں جابجا دیئے ہیں، ابن وافد کی آراء اور تحقیقات کو کتاب مذکور میں الوین، بورق، تین، جاورس، جنطیانا، حب الزلم، حرمل، حندقوقی بری، ذہرۃ النحاس، شاذروان، شقاقل، صابون، طرقار، عکبر، فلفل السودان، قنبیل، کافور، لسان العصافیر، مسک، مقل، وسخ الکوابر (وغیرہ) کے ذیل میں دیکھا جا سکتا ہے[29]۔

ابن بیطار نے دواؤں کی ماہیت کے تضاد کے باب میں اکثر اوقات ابن وافد کے قول کو اہمیت کے ساتھ نقل کیا ہے ۔۔۔ اس بابت حکیم سید محمد حسان نگرامی لکھتے ہیں۔

"ادویہ کی ماہیت کے تضاد کے سلسلے میں اس کی رائے اکثر فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے"[30]۔

دواؤں کے بارے میں ابن وافد، ابوبکر محمد بن زکریا رازی (وفات ۳۱۳ھ/۹۲۵ء) اور المسعودی (وفات ۳۴۶ھ/۹۵۷ء) نیز اس کی کتاب مروج الذہب و معادن الجوہر کا حوالہ خصوصیت کے ساتھ دیتا ہے اور مشہور ماہر نباتات ابوجعفر احمد بن محمد بن احمد بن السید الغافقی (وفات ۵۶۰ھ) کے یہاں ابن وافد حوالے کے طور پر ملتے ہیں[31] تاہم اس قدر ضرور ہے کہ یہ لوگ (ابن بیطار، غافقی) ابن وافد کے اقوال کو بغیر سمجھے بوجھے قبول نہیں کرتے، چنانچہ غافقی "جنطیانا" کی بحث میں فرماتے ہیں۔

"ابن وافد کا یہ خیال کہ بلاشکہ جنطیانا کی دو قسم ہے جیسے دیسقوریدوس نے بیان کیا ہے، حالانکہ ابن وافد کا خیال درست نہیں ہے"[32]۔

خود ابن بیطار نے "تین" کی بحث میں ابن وافد کے قول کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے

"ابن وافد نے تین (انجیر) کے تعارف میں تین ہی کے تحت ایک دوسری دوا کو محض اس بنا پر بیان کر دیا ہے کہ ان دونوں کے یونانی ناموں میں مشابہت پائی جاتی ہے، فاضل موصوف کا یقین بھی ہے کہ دونوں چیزیں ایک ہی ہیں، حالانکہ ابن وافد کا یہ محض خیال ہے"[33]۔

اس کے بعد ابن بیطار "قاماسوقی" کے ذیل میں ابن وافد کی اس غلطی کے اسباب

کا جائزہ لیتے ہوئے تفصیل سے لکھتے ہیں۔

"جالینوس کی کتاب الادویۃ المفردہ کے آٹھویں باب میں فاضل مترجم حنین ابن اسحٰق[52] نے اس پودے کو "تین جبلی" سے تعبیر کیا ہے، جو درست نہیں ہے، کیونکہ دیسقوریدوس نے اپنی کتاب (الحشائش) کے پہلے مقالے میں تین جبلی کو قدآور درختوں کے ذیل میں بیان کیا ہے، جالینوس نے بھی اس کا تذکرہ "تین" ہی کے ذیل میں کیا ہے، اور اسے "تین الفج" بتایا ہے، زیر بحث پودے اور تین میں ناموں کی یکسانیت کے علاوہ اور کوئی باہمی تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ تین کو یونانی زبان میں "سوقی" کہتے ہیں، اسی لئے اس نے اس پودے کو تین جبلی تصور کیا، حنین کی اس غلطی سے ابن وافد جیسے اور بہت سے دوسرے مصنفین بھی غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہیں[53]

آگے لکھتے ہیں ـــــ چنانچہ

"جس شخص نے اس دوا سے متعلق دیسقوریدوس اور جالینوس کے اقوال کو یکجا کرنے کی کوشش کی ہے اس نے "خاماسوقی" کے فوائد کو تو لے لیا اور "تین" ہی کے عنوان میں رکھ دیا، نتیجہ یہ کہ ناقلین نے محض ناموں کی یکسانیت پر اکتفا کرتے ہوئے "خاماسوقی" اور "تین" کے باہمی فرق کو ہی نظر انداز کر دیا"[54]

افعال و خواص کے تناظر میں بات کو جاری رکھتے ہوئے ابن بیطار لکھتے ہیں

"اس پودے کے بارے میں میں نے قاہرہ کے مسطریہ اور عین الشمس نامی مقامات میں معلومات حاصل کی ہیں، یہ پودا دیسقوریدوس کے بتائے ہوئے صفات کے مطابق ہے"[55]

ادویہ مفردہ کے ضمن میں ابن وافد کے مقام کی تعیین تذکرہ نگاروں اور تاریخ طب کے ماہرین کے اقوال اور کتاب الجامع لمفردات الادویۃ والاغذیہ (ابن بیطار) میں موجود حوالوں کے تناظر میں کی جا سکتی ہے تاہم یہ مسرت کی بات ہے کہ لوئس معلوف الیسوعی کے بیان کے مطابق اس موضوع پر اس کی اہم ترین اور معرکۃ الآراء کتاب گوتھا میں موجود ہے۔ اس قلمی نسخے کے منظر عام پر آجانے کے بعد اس کی فنی

حیثیت کی تعیین بہتر طور پر کی جا سکتی ہے۔

تصانیف

ابن وافد کی تصنیفات کی فہرست متعدد مورخوں اور تذکرہ نگاروں نے مرتب کی ہے، قاضی صاعد بن احمد اندلسی نے صرف "کتاب الادویہ" کا تذکرہ کیا ہے[56]، جمال الدین ابن القفطی نے بھی نام کے بغیر "کتاب الادویۃ المفردہ" کا تذکرہ کیا ہے[57] ابن ابی اصیبعہ نے مندرجہ ذیل فہرست مرتب کی ہے۔

۱۔ کتاب الادویۃ المفردہ ۲۔ مجربات فی الطب ۳۔ کتاب الوساد فی الطب

۴۔ کتاب تدقیق النظر فی علل حاسۃ البصر ۵۔ کتاب المغیث[58]

خیر الدین زرکلی اور عمر رضا کحالہ نے درج ذیل کتاب کا اضافہ کیا ہے۔

۶۔ (۱) مجموع فی الفلاحہ[59]

حفیظ الرحمٰن صدیقی نے اپنے ایک مقالے "عالم اسلام سے یورپ کی طرف سائنس کا سفر" میں درج ذیل کتاب/رسالے کا تذکرہ کیا ہے۔

۷۔ (۱) الحمام الحار (گرم غسل)[60]

حفیظ الرحمٰن صدیقی کی اس تحقیق کی توثیق کسی دوسرے ماخذ سے نہیں ہو سکی، مرکزی کونسل برائے تحقیقات طب یونانی (نئی دہلی) کی طرف سے شائع شدہ "الجامع لمفردات الادویۃ والاغذیہ" جلد دوم (مولفہ ابن بیطار) کے اردو ترجمہ میں "فہرست اسماء کتب محولہ الجامع لمفردات الادویہ والاغذیہ جلد دوم" کے زیر عنوان (۱) کتاب التجربتین (۲) فقہ اللغۃ (۳) فلاحۃ النبطیہ (۴) فلاحۃ الفارسیہ کو کسی حوالے کے بغیر ابن سفیان[61] اور ابن وافد کی تصنیفات میں شامل کیا گیا ہے[62] جب کہ تاریخ طب کی کتابوں اور تذکروں میں کتاب التجربتین کو ابوبکر محمد بن یحییٰ[63] بن الصائغ المشہور بہ ابن باجہ (وفات ۵۳۳ھ/۱۱۳۸ء) کی تصنیفات میں شمار کیا گیا ہے۔ البتہ کتاب کی تالیف میں ابوالحسن سفیان نام کا ایک طبیب بھی شریک رہا[64]، یہ کتاب ابن وافد کی کتاب الادویۃ المفردہ کے علمی تحقیقی و تنقیدی جائزے پر مبنی ہے اور خود اس کتاب کا نام بھی دو مولف کی کاوشوں کی مشارکت کی طرف اشارہ کرتا ہے[65]

ابن ابی اصیبعہ نے واضح طور پر لکھا ہے۔

"کتاب التجربتین علی ادویۃ ابن وافد، واشترک فی تالیف ہذا الکتاب ابوبکر بن باجہ وابوالحسن سفیان"[٦٤]

ابن وافد اور ابوالحسن سفیان کی طرف منسوب دوسری کتاب "فقہ اللغۃ" کا مولف ابومنصور الثعالبی النیشاپوری (وفات ۴۳۰ھ/۱۰۳۸ء) ہے اس کتاب کو تعلیقات کے ساتھ مونس نے ۱۹۰۲ء میں بیروت سے شائع کیا ہے[٦٥] تعجب والے کے ان دونوں اطبا (ابن وافد ابوالحسن سفیان) کی طرف منسوب تیسری کتاب "الفلاحۃ النبطیہ" کی تالیف کا انتساب طبی تذکروں میں ابن وحشیہ (وفات ۲۹۶ھ/۹۰۹ء) کی طرف کیا جاتا ہے۔ فلاحۃ کے موضوع پر یہ اولین کتابوں میں شمار کی جاتی ہے نیز بعض مورخین کی رائے کے مطابق یہ کلدانی ——— ترجمہ ہے[٦٦] الجامع لمفردات الادویۃ والاغذیہ میں کتاب الفلاحۃ کا تذکرہ ج ۲ ص ۱۵، ۲۰، ۳۳، ۵۲، ۵۶، ۶۸، ۷۷، ۱۱۸، ۱۲۸، ۱۴۰، ۱۹۸ پر ہے جس میں ص ۳۳، ۵۲، ۵۶ پر "القسطس فی الفلاحۃ" تحریر ہے، باقی مقامات پر صرف کتاب کا نام تحریر ہے۔ عین ممکن ہے یہ کتاب الفلاحۃ قسطس کی تالیف ہو بہر حال لغات اور کتب تاریخ وتذکرہ کے اس تناظر میں ہم مذکورہ چاروں کتابوں کو ابن وافد کی کتابیات میں شامل کرنا مبادیات تحقیق کے خلاف تصور کرتے ہیں جب کہ فاضل مرتبین فہرست نے کوئی دستاویزی ثبوت بھی فراہم نہیں کیا ہے۔

ابن وافد کی تصانیف کے دستیاب مخطوطات

ہماری معلومات کے مطابق ابن وافد کی صرف ایک تاہم انتہائی اہم کتاب "الادویۃ المفردہ" (جس پر اس نے اپنی عمر عزیز کے بیس سال صرف کئے تھے) کا ایک قلمی نسخہ "گوتھا" میں موجود ہے[٦٧] ——— اور مسرت کی بات ہے کہ دنیا میں اس کی بعض کتابوں کے تراجم بھی دستیاب ہیں۔

ابن وافد کی کتابوں کے تراجم

ابن وافد کی متعدد تصانیف کے تراجم دنیا کی مختلف زبانوں میں ہو چکے ہیں، ذیل میں ان کا ایک مختصر جائزہ لیا جا رہا ہے۔

۱۔ کتاب الادویۃ المفردہ

قشتالی زبان میں اس کا ترجمہ ہوا، یورپی ترجمے، مترجم کے نام اور ترجمہ کے سنہ کے بارے میں تفصیلات دستیاب نہ ہو سکیں[٦٨]

۲۔ کتاب الوساد فی الطب

اس کتاب کا فرانسیسی اور انگریزی میں ترجمہ ہوا[٦٩] لاطینی ترجمے کی نشاندہی حفیظ الرحمن صدیقی نے اپنے مقالے میں کی ہے، ترجمے کا نام "Abenguefiti Medicinarum Simplicium et Ciborum" مترجم جیرارڈ[٧٠] ذکر ہوا اور ترجمہ کرنے کا سنہ بارہویں صدی عیسوی ہے[٧١] بعد میں یہ ترجمہ ۱۵۸۱ء میں اسپین سے طبع ہو کر شائع ہوا[٧٢]

۳۔ الحمام الحار[٧٣]

اس کے یوروپی ترجمے کا نام "Debalness" ہے، مترجم کے نام اور سنہ ترجمہ کی صراحت نہیں مل سکی[٧٤]

حاصل کلام

ابن وافد کو فقہ، فلسفہ اور فلاحت میں مہارت حاصل تھی، تاہم اس کی جولان طبع فن طب اور خاص طور سے اس کے ایک اہم شعبے ادویات نباتات کی طرف تھی، چنانچہ اس موضوع پر اس کی خدمات مورخین کی نظر میں اختصاص کا درجہ رکھتی ہیں، علاج بالغذا اور بصورت دیگر دواؤں میں کم سے کم اجزا کی خصوصیت کا رجحان، اس کی ادویاتی بصیرت کا غماز ہے تاہم اس عہد میں معالجات اور ادویات کے شعبوں میں اس کی فنی حیثیت کی تعیین اسی وقت بہتر طور پر کی جا سکتی ہے جب اس کی نایاب تصنیفات دستیاب ہو کر شائع ہو جائیں، اور اس کی شاہکار کتاب گوتھا کی لائبریری سے نکل کر علمی وفنی دنیا میں آجائے، ——— ورنہ ساری گفتگو مورخین کی آرا کے تناظر میں ہی تصور کی جائے گی۔

تشریحات ومصادر

۱۔ تاریخ اور تذکرہ کی بعض کتابوں میں "عبدالکریم" تحریر ہے، ملاحظہ کریں تاریخ الحکما ص ۲۱۳ (اردو ترجمہ مترجم ڈاکٹر

غلام جیلانی برق، مطبوعہ ہمدرد پریس، دہلی سنہ اشاعت ۱۹۳۵ء، باہتمام انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی، معجم الاطباء ص ۲۰۰ مولفہ ڈاکٹر احمد عیسیٰ بک، مطبع فتح اللہ الیاس نوری واولادہ مصر، طبع اول ۱۹۴۲ء ـــ ڈاکٹر احمد عیسیٰ بک ص ۲۰۰ پر "ابوالمطرف عبدالرحمٰن بن محمد بن عبدالکبیر" تحریر کرنے کے بعد "ن" "بحتی النظر لکھتے ہوئے" عبدالرحمٰن بن محمد بن عبدالکریم" کے ذیل میں وضاحتی تذکرہ دیکھنے کی ہدایت کرتے ہیں اور وضاحتی تذکرہ ص ۲۶۳ پر "عبدالکریم" کی بجائے "عبدالکبیر" ہی لکھتے ہیں۔ ... تاریخ الحکماء کا عربی متن ہمارے سامنے نہیں ہے۔

٢ تاریخ طب ص ۳۵۱ مولفہ حکیم سید محمد حسان نگرامی، مطبوعہ سپریم آفسیٹ پریس مالویہ نگر نئی دہلی، ناشر ڈائرکٹر ترقی اردو بیورو نئی دہلی ۔ ۱۹۸۹ء میں سہو کتابت سے "ہند (ہ ن د)" مرقوم ہے۔

٣ حکیم غلام جیلانی (وفات ۱۹۲۶ء) نے مخزن الجواہر ص ۱۹ میں، حکیم سید علی احمد نیر واسطی (وفات ۱۹۸۵ء) نے طب العرب ص ۳۶۳ میں، حکیم سید محمد حسان نگرامی نے "تاریخ طب" ص ۳۵۱ میں اور حکیم سید شہاب الحق نے "تاریخ طب و اخلاقیات" ص ۲۰۸ میں "اللخمی" (خاء کے ساتھ یعنی ال ل خ م ی) تحریر کیا ہے۔ حکیم غلام جیلانی نے اپنی دوسری کتاب "تاریخ الاطباء" ص ۸۴ مطبوعہ نول کشور لمیٹڈ پریس لاہور طبع اول ۱۹۱۳ء میں "اللخمی" (خاء کے ساتھ یعنی ال ل خ م ی) لکھا ہے، لیکن مخزن الجواہر مطبوعہ ۱۹۸۲ء (ناشر شوکت بک ڈپو، شوکت بازار اندرون چوک شاہ دولہ گجرات) میں انگریزی میں "Al Lahmi" لکھا ہے انگریزی میں حکیم نیر واسطی نے بھی "Al Lahmi" لکھا ہے اس لئے "خ" کو "ح" لکھے جانے کے عمل کو کم از کم ان دونوں مصنفین کے یہاں سہو کتابت پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ ان چار اردو تذکرہ/طبی تاریخوں ولغات کے علاوہ دوسرے تمام مصادر و ماخذ میں "اللخمی" (خاء کے ساتھ یعنی ال ل خ م ی) تحریر ہے۔ "بنو لخم" ایک قدیم اور مشہور خانوادہ رہا ہے۔ المنجد میں ہے "لخم (بنو) ـــ من قبائل العرب، اصلھم من الیمن فی القرن الثانی والاول قبل الھجرۃ رحل بعضھم الی شمال جزیرۃ العرب والی بلاد سوریا وفلسطین والعراق، حیث شادوا مملکۃ لخم فی الحیرۃ، کانوا اخصام الغساسنۃ کانوا مسیحیین ثم اسلموا" (المنجد فی الادب والاعلام ص ۶۲۰)

٤ تاریخ الاطباء ص ۸۵ ٥ طبقات الامم ص ۱۳۹ (اردو ترجمہ) مترجم قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۹۲۸ء ـــ طبقات الامم کا عربی متن ہمارے مطالعے میں نہیں رہا۔ ٦ ایضاً ص ۱۳۹

٧ تاریخ الحکماء ص ۳۱۴ (اردو ترجمہ) مترجم ڈاکٹر غلام جیلانی برق

٨ کتاب التکملۃ لکتاب الصلۃ ص ۵۵۱ مولفہ ابن الآبار (وفات ۶۵۸ھ/۱۲۶۰ء) ـــ یہاں اس امر کی وضاحت کر دی جائے کہ کتاب الصلۃ کا مولف بشکوال ہے، اندلس کے مشہور محدث ابوالربیع ابن سالم نے ابن الآبار سے اس کتاب کا تکملہ لکھنے کی فرمائش کی جس کے نتیجے میں یہ کتاب وجود میں آئی ـــ یہ کتاب Codera میڈرڈ سے ۱۸۸۹ء میں شائع ہو چکی ہے۔

٩ عیون الانباء فی طبقات الاطباء ص ۴۹۶ مولفہ ابن ابی اصیبعہ ـــ شرح و تحقیق ڈاکٹر نزار رضا، منشورات دار مکتبۃ الحیاۃ بیروت ۱۹۶۵ء

١٠ ایضاً ص ۴۹۶ ١١ ایضاً ص ۴۹۶

١٢ الاعلام ج ۴ ص ۱۰۲، طبع سوم بیروت (سنہ اشاعت مرقوم نہیں ہے البتہ الاعلام جلد اول (طبع سوم) کا مقدمہ ۱۹۶۹ء کا مرقوم ہے)

١٣ معجم المولفین ج ۵ ص ۱۸۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، لبنان (سنہ اشاعت تحریر نہیں ہے)

١٤ المنجد فی الادب والاعلام ص ۵۶۲

١٥ ہسٹری آف میڈیسن ص ۵، ۱۲۷، ای۔ بی کروم بہار، مطبوعہ نیویارک (طبع دوم) ۱۹۴۷ء

١٦ تاریخ الاطباء ص ۸۶، تاریخ طب ص ۳۵۱، تاریخ طب و اخلاقیات ص ۲۰۷

مطبوعہ جوبسن پرنٹرسس بنگلور (طبع دوم) ۱۹۸۹ء

۱۷۔ تاریخ طب و اخلاقیات ص ۲۷۷

۱۸۔ تاریخ الاطباء ص ۸۹؛ تاریخ طب ص ۳۵۱ ؛ مخزن الجواہر ص ۱۹ ،

۱۹۔ طب العرب —— تشریحات و تنقیدات ص ۳۶۳ ، مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ ، لاہور پاکستان ۱۹۵۴ء

۲۰۔ عیون الانباء فی طبقات الاطباء ص ۴۹۶

۲۱۔ ملاحظہ کریں کتاب مذکور ص ۵۵۱ ،

۲۲۔ الاعلام ج ۴ ص ۱۰۲ (زرکلی) معجم المولفین ج ۵ ص ۱۸۱ (عمر رضا کحالہ) —— معجم المولفین کے حاشیہ پر عیون الانباء فی طبقات الاطباء کے حوالے سے ذی الحجہ ۳۸۷ھ بھی تحریر ہے۔

۲۳۔ تاریخ الادب العربی ج ۳ ص ۲۹۵ ، دار العلم للملایین بیروت (طبع دوم) ۱۹۸۴ء

۲۴۔ المنجد فی الادب والاعلام ص ۵۶۲ ،

۲۵۔ ہسٹری آف میڈیسن ص ۲۷۵ ، مطبوعہ نیویارک (طبع دوم) ۱۹۴۷ء

۲۶۔ تاریخ الاطباء ص ۹۶ ، مخزن الجواہر ص ۱۹ ،

۲۷۔ تاریخ طب ص ۳۵۲ ،

۲۸۔ تاریخ طب و اخلاقیات ص ۲۷۷

۲۹۔ موجودہ نام "TOLEDO"

۳۰۔ طبقات الامم ص ۱۳۸ (اردو ترجمہ) تاریخ الاطباء ص ۸۵ ،

۳۱۔ معجم المولفین ج ۵ ص ۱۸۱ ،

۳۲۔ اس کے متعدد قلمی نسخے ہند و بیرون ہند کی لائبریریوں میں موجود ہیں ، چنانچہ دستیاب حوالوں کے مطابق آیا صوفیا، احمد ثالث (بیرون ہند) اور خدا بخش اور خلیل پبلک لائبریری پٹنہ (ہندوستان) میں موجود ہیں، آیا صوفیہ کا نسخہ قدیم تر ہے، تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں "فہرس مخطوطات الطب الاسلامی باللغات

العربیہ والترکیہ والفارسیہ فی مکتبات ترکیا" ص ۲۳۶ —— ۲۳۵ ، از ڈاکٹر احسان اوغلی و رمضان ششن، مطبوعہ استانبول ۱۹۸۴ء —— کتاب الحشائش (میری معلومات کی حد تک) ابھی تک ایڈٹ ہو کر شائع نہیں ہوئی ہے، مرکزی کونسل برائے تحقیقات طب یونانی نئی دہلی کے علمی منصوبے میں نسخۂ خدا بخش پٹنہ (اس نسخے کو راقم السطور نے پڑھنے کی سعادت حاصل کی ہے) کے تناظر میں ایڈیٹنگ شامل تھی اور ابتدائی کام حکیم خورشید احمد شفقت اعظمی (ریسرچ آفیسر) مذکورہ بالا کونسل نے انجام دیا تھا —— کتاب الحشائش کا پہلا یونانی ایڈیشن ۱۴۹۹ء میں، پہلا لاطینی ترجمہ ۱۴۷۸ء میں، پہلا اطالوی ترجمہ ۱۵۴۴ء میں اور انگریزی ترجمہ ۱۹۳۶ء میں (آکسفورڈ یونیورسٹی پریس سے) شائع ہوا، فارسی میں بھی اس کا ترجمہ ہوا، تفصیلات کے لیے ملاحظہ کریں اوغلی و رمضان ششن ص ۲۳۶ —— ۲۳۵ ، احسان نگرامی ص ۱۱۸ —— ۱۱۷ ،

۳۳۔ طبقات الامم ص ۱۳۹ (اردو ترجمہ) تاریخ الحکماء ص ۳۱۴ —— ۳۱۳ (اردو ترجمہ) عیون الانباء فی طبقات الاطباء ص ۴۹۶ ، —— وغیرہ

۳۴۔ تاریخ طب ص ۳۵۱ ، —— واضح رہے کہ عربی متن کے مکمل طور پر یاد ہونے کا تذکرہ کسی قدیم ماخذ میں میری نظر سے نہیں گذرا (وسیم احمد اعظمی)

۳۵۔ تاریخ الاطباء ص ۸۵

۳۶۔ ایضاً ص ۸۵ —— "حکیم باشی" کی وضاحت کرتے ہوئے حکیم غلام جیلانی مرحوم لکھتے ہیں "حکیم باشی، افسر الاطباء، یہ لفظ کسی بڑے عہدے کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ مصر، ایران اور ترکی میں ہر بڑے طبیب پر بولا جاتا ہے" (مخزن الجواہر ص ۳۰۴ ،

۳۷۔ ملاحظہ کریں طبقات الامم ص ۱۳۹ (اردو ترجمہ) تاریخ الحکماء ص ۳۱۴ (اردو ترجمہ) عیون الانباء فی طبقات الاطباء ص ۴۹۶ ،

۳۸۔ ایضاً

۳۹۔ طبقات الامم ص ۱۳۹ (اردو ترجمہ)

٤٠ ایضاً ص ١٣٩ ،

٤١ طب العرب — تشریحات وتنقیدات ص ٣٦٣

٤٢ الاعلام ج ٣ ص ١٠٣ ، معجم المولفین ج ٥ ص ١٨١ ،

٤٣ تاریخ طب ص ٣٥٢ ،

٤٤ طبقات الامم ص ١٣٨ (اردو ترجمہ) عیون الانبار فی طبقات الاطباء ٣٩٦ ،

٤٥ طبقات الامم ص ١٣٩ (اردو ترجمہ)

٤٦ ایضاً ص ١٣٩ ،

٤٧ ملاحظہ کریں کتاب "الجامع لمفردات الادویۃ الاغذیۃ" جلد اول ص ٥٣ ، ١٢٥ ، ١٢٧ ، ١٤٨ ، ١٥٦ ، ١٧٠ ، جلد دوم ص ٣ ، ٣٩ ، ٤٠ ، ١٤٢ — جلد سوم ص ٣ ، ٦٥ ، ٧٦ ، ٩٩ ، ١٠٢ ، ١٢٧ ، — جلد چہارم ٣٨ ، ٤٦ ، ١٠٩ ، ١٥٥ ، ١٦٢ ، ١٩٣ ، مطبوعہ قاہرہ ١٨٧٤ء

٤٨ تاریخ طب ص ٣٥٦ ،

٤٩ ملاحظہ کریں کتاب "الجامع لمفردات الادویۃ والاغذیۃ" ج ١ ص ٥٣ ، — ج ٤ ص ٣٨ ، ٤٢ ، ١٥٥ — وغیرہ مطبوعہ قاہرہ ١٨٧٤ء

٥٠ الجامع لمفردات الادویۃ والاغذیۃ" ج ١ ص ١٧٠ ، ملاحظہ کریں ۔

٥١ ایضاً ج ١ ص ١٤٨ ،

٥٢ ابوزید حنین بن اسحٰق العبادی (وفات ٢٦٠ھ / ٨٧٣ء سنہ وفات کی تعیین میں مورخین مختلف الرائے ہیں) ۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ کریں "بیت الحکمت کی طبی خدمات" ص ١١٦ — ١٤٩ ، مولفہ حکیم وسیم احمد اعظمی ، مطبع محبوب پریس دیوبند ، (طبع دوم ١٩٨٩ء)

٥٣ الجامع لمفردات الادویۃ والاغذیۃ ج ٢ ص ٤٥

٥٤ ایضاً ج ٢ ص ٤٥

٥٥ " " " " " "

٥٦ طبقات الامم ص ١٣٩ (اردو ترجمہ)

٥٧ تاریخ الحکماء ص ٣١٤ (اردو ترجمہ)

٥٨ عیون الانبار فی طبقات الاطباء ص ٤٩٦ ،

٥٩ الاعلام ج ٣ ص ١٠٣ ، معجم المولفین ج ٥ ص ١٨١ ،

٦٠ آیات (سارشاعتی) ١٣١ ، جلد ا شمارہ ٢ ، مرکز الدراسات العلمیہ علی گڑھ ١٩٩٠ء

٦١ اصل نام ابوالحسن سفیان ہے ، ملاحظہ فرمائیں عیون الانبار فی طبقات الاطباء ص ٥١٧

٦٢ ملاحظہ فرمائیں الجامع لمفردات الادویۃ والاغذیۃ" ج ٢ ص ٣٧٧ (اردو ترجمہ) ناشر مرکزی کونسل برائے تحقیقات طب یونانی نئی دہلی ، طابع نیو پبلک پریس دہلی ، (سنہ اشاعت تحریر نہیں)

٦٣ ملاحظہ فرمائیں عیون الانبار فی طبقات الاطباء ص ٥١٦ — ٥١٧ ، تاریخ الاطباء ص ٥٧

٦٤ عیون الانبار فی طبقات الاطباء ص ٥١٦ — ٥١٧ ،

٦٥ المنجد فی الادب الاعلام ص ٣٩١ ،

٦٦ ایضاً ص ٣٩١ ،

٦٧ ایضاً ص ٥٦٢ ،

٦٨ آیات (سارشاعتی) ج ١ ، ش ٢ ، ص ١٣١

٦٩ طب العرب — تشریحات وتنقیدات ص ٣٧٧ ،

٧٠ مشہور دانشور اور مستشرق ، اٹلی کے شہر لمبارڈی کا (Cremona) کے کریمونا میں ٥٠٨ھ / ١١١٤ء میں پیدا ہوا اور ٥٨٢ھ / ١١٨٦ء میں وفات پائی ، بطلیموس کی کتاب المجسطی پڑھنے کے لیے عربی سیکھنے کی غرض سے طلیطلہ (Toledo) کا سفر کیا بعد میں کم و بیش ٨٠ کتابوں کا عربی سے لاطینی میں ترجمہ کیا ۔ ایک خیال کے مطابق یہ سبھی ترجمے اسی کے نہیں ہیں ، چونکہ وہ مترجمین کے ایک اسکول کا نگراں تھا اور اسکی طرف منسوب بیشتر ترجمے اسی اسکول کے مترجمین نے کئے اور افسوس کہ ان ترجموں کی اولین اشاعتوں میں مترجمین کا نام قلم انداز کر دیا گیا ۔ — اس کے بارے میں یہ بھی مشہور ہے کہ اس نے بعض عربی کتابوں کو لاطینی میں منتقل کرکے اپنی طبع زاد تصنیف قرار

دیا تھا، اور بعد کے محققین نے اسکے اس علمی سرقہ پر شدید گرفت کی (تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں "قانون ابن سینا اور اسکے شارحین و مترجمین" ۲۵۵ ـ ۲۵۶، حکیم ظل الرحمن، یعقوب کلر پرنٹرس علی گڑھ ۱۹۸۶ء)

؂۱ آیات (رسا اشاعتی) ج ۱ ش ۳ ص ۱۲۱

؂۲ طب العرب ـــ تشریحات و تنقیدات ص ۲۱۶،

؂۳ حفیظ الرحمن صدیقی کے مقالے میں اس کا نام "گرم غسل کے موضوع پر" تحریر ہے، میں نے اس کی تعریب "الحمام الحار" سے کردی۔ (وسیم احمد اعظمی)

؂۴ آیات (رسا اشاعتی) ج ۱ ش ۳ ص ۱۲۱،

؂۵ تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ طبقات الامم ص ۱۳۸ ـــ ۱۳۹ (اردو ترجمہ) قاضی صاعد بن احمد اندلسی / قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی۔

۲۔ تاریخ الحکماء ص ۳۱۳ ـــ ۳۱۴ (اردو ترجمہ) جمال الدین ابن القفطی / ڈاکٹر غلام جیلانی برق،

۳۔ عیون الانباء فی طبقات الاطباء ص ۴۹۶، ابن ابی اصیبعہ

۴۔ کتاب التکملۃ لکتاب الصلۃ ص ۵۵، ابن الآبار

۵۔ معجم الاطباء (ذیل عیون الانباء) ص ۱۰۰، ۲۶۳؛ ڈاکٹر احمد عیسی بک

۶۔ الاعلام ج ۴ ص ۱۰۲ ـــ ۱۰۳، خیر الدین الزرکلی

۷۔ معجم المؤلفین ج ۵ ص ۱۸۰ ـــ ۱۸۱، عمر رضا کحالہ

۸۔ تاریخ الادب العربی ج ۴ ص ۳۹۵، عمر فروخ

۹۔ کتاب الجامع لمفردات الادویۃ والاغذیۃ (حاشیہ ؂۲ ملاحظہ کریں) ابن بیطار / حکیم محمد یوسف، حکیم سید محمد حسان

۱۰۔ المنجد فی الادب الاعلام (معجم اعلام الشرق الغرب) ص ۵۷۲، لوئس معلوف الیسوعی / فردینان توتل الیسوعی

۱۱۔ تاریخ الاطباء ص ۸۴ ـــ ۸۶، حکیم غلام جیلانی

۱۲۔ مخزن الجواہر ص ۱۹، حکیم غلام جیلانی

۱۳۔ طب العرب ـــ تشریحات و تنقیدات ص ۲۱۶، ۲۶۳، ۴۷۷، ای۔ جی۔ براؤن / حکیم سید علی احمد نیر واسطی

۱۴۔ تاریخ طب ص ۲۵۱ ـــ ۲۵۲، حکیم سید حسان نگرامی

۱۵۔ تاریخ طب و اخلاقیات ص ۲۰۰ ـــ ۲۷۹، حکیم سید شہاب الحق

۱۶۔ آیات (رسا شاعتی) ج ۱، ش ۳ ص ۱۲۱

۱۷۔ بیروکلمان ج ۱ ص ۴۸۵،

۱۸۔ عربین میڈیسن ص ای۔ جی۔ براؤن، لندن ۱۹۲۱ء

۱۹۔ ہسٹری آف میڈیسن ص ۲۷۵، ای۔ بی کرومبیار۔

غزل

آزاد ضمیر نگہری

انہیں اندھیروں سے ہوگی روشنی پیدا
خدا کرے گا کوئی نادر و غزنوی پیدا

یہ انقلاب تو صدیوں کے بعد آیا ہے
ہوئے ہیں قوم میں آثارِ زندگی پیدا

نظامِ میکدہ بدلے گا یہ علامت ہے
ہوا ہے رندوں میں احساسِ تشنگی پیدا

مری نظر میں براہیم کی بشارت ہے
ہوئی ہے کفرکدے میں جو آذری پیدا

چمن میں لوٹ کے فصلِ بہار آئی ہے
کلی کلی میں ہوئی ہے شگفتگی پیدا

ہزاروں چاہنے والے ہیں منتظر کہ کہیں
نگارِ حسن میں ہو شانِ دلبری پیدا

غرور ہوں گے زمیں بوس ظلم کے قلعے
جواں دلوں میں ہے پھر عزمِ آہنی پیدا

خوشا کہ ملتِ بیضا کی ہے انگڑائی
ہوئی ہے اسکے جوانوں میں پھر خودی پیدا

مری نگاہ سے دیکھو تو واقعی آزاد
عروجِ نو کے ہیں اسباب ظاہری پیدا

یہی تھوڑی سی مئے ہے ..... جامعۃ الفلاح

اکرام الرحمٰن
سکریٹری جمعیۃ الطلبہ
جامعۃ الفلاح

۲۵؍اور ۲۶؍نومبر ۸۳ء کو جمعیۃ الطلبہ جامعۃ الفلاح کی جانب سے منعقدہ "علوم القرآن" سیمینار میں سکریٹری جمعیۃ الطلبہ اکرام الرحمٰن کا استقبالیہ (ادارہ)

بعد حمد و ثنا۔

محترم مہمانانِ گرامی قدر، فاضل اساتذہ کرام پیارے بھائیو!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

آج خطۂ اعظم گڑھ کے علمی منطقۃ البروج کے اہم ترین سیاروں کے اس اجتماع میں آپ کو خوش آمدید کہتے ہوئے ایک گونہ بے خودی و بالیدگی کی ملی جلی کیفیات کے احساس کا تموج دامانِ دل و نگاہ کو مسلسل ارتعاش اور پیہم تحرک سے ہمکنار کئے ہوئے ہے کہ یہ اجتماع ایک زندہ اور زندہ ہی نہیں بلکہ زندۂ جاوید کتاب کے حوالے سے موجودہ دور کی زندگی کے ارتقاء اور اس کے اصول و منہاج کی توضیح و تعیین کے سلسلہ میں ہم نوجوانوں کا دیباچۂ آرزو ہے۔ اس دیباچۂ آرزو کے آغاز کی تمہید کی نسبت سے آپ کا استقبال خود ہمارے اپنے فرائض کا ایک اہم ترین جزء ہے اسی لئے آپ کو خیر مقدم کہتے ہوئے ہمیں دو چند خوشی حاصل ہو رہی ہے۔

سفر کی صعوبتوں سے صرفِ نظر کرکے اور زمہریری ہوا کی کلفتوں کو انگیز کرکے آپ کا یہاں تشریف لانا اس گہوارۂ علم سے بے پایاں محبت و عقیدت اور اس سے بڑھ کر ملت اسلامیہ کی خاطر آپ کے دل میں مچلتے ہوئے پاکیزہ جذبات کا غماز ہے۔

آپ نے اپنی آمد سے ہمارے اس گھر کو جو رونق بخشی ہے وہ ہمارے لئے بڑی ہی عزت افزائی کی بات ہے۔

وہ آئے گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

ہمیں اس بات کا شدت سے احساس ہے اور ساتھ ہی شرمندگی بھی کہ ہم اپنے معزز مہمانان کا ان کے شایانِ شان استقبال کرنے اور ان کے لئے آرام و راحت کے اسباب فراہم کرنے سے قاصر ہے۔

ہے خبر گرم ان کے آنے کی
آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا

ہمارے گھر کے راستے جزم کہکشاں سے نہیں گذرتے تو کیا ہوا ہماری آنکھیں آپ کے لئے بچھی ہیں ہمارے دل آپ کے لئے فرشِ راہ ہیں۔ یہاں کی خاک کا ایک ایک ذرہ آپ کا پرتپاک استقبال کرتا ہے۔ حبذا اہلاً وسہلاً مرحبا۔

مہمانانِ گرامی! اسلام کا درد رکھنے والا ہر نوجوان آج اپنے سینے میں انگاروں کا ایک الاؤ رکھتا ہے، اس کی روح مضطرب ہے اس کے احساس کی ایک ایک رگ سلگتی ہے وہ دیکھتا ہے کہ تاریخ کے ایک طویل عرصے پر پھیلے ہوئے دور میں اسلام کے قلب و جگر پر حملے ہوتے رہے اور شیدائیان اسلام اس کی خاطر خواہ نصرت و حمایت نہ کر سکے اس لئے اسلام غریب الدیار ہوتا گیا اور نوبت یہاں تک جا رسید کہ آج وہ اپنے شیدائیوں کے درمیان بھی غریب الوطن ہے۔

اسلام کا سچا درد رکھنے والا کوئی نیا خوف اس صورت حال کو دیکھ کر پیچ و تاب کھائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آج کا اجتماع اسی پیچ و تاب کا ایک مظہر ہے۔ اس مبارک اجتماع میں آپ کا استقبال ہم قرآنی علوم کے وسیلوں سے اس لئے کرتے ہیں کہ یہی اسلام اور مسلمانان دونوں کی اساس و بنیاد ہے اور اسی کا وسیلہ ہمیں ہماری اصل حیثیت اور حقیقی مقام سے سرفراز کر سکے گا

آزادی ہند کے بعد مسلم قوم کو جہاں بہت سارے معاشی و معاشرتی مسائل کا سامنا کرنا پڑا وہیں سب سے خطرناک پہلو ان کے سامنے اپنی نوجوان نسل کا آیا جو مغربی تہذیب کے علمبردار تعلیمی اداروں کی آغوش میں پل کر اپنا ثقافتی و تہذیبی اور اخلاقی سرمایہ گنوا چکی تھی۔

بالآخر ملت کے درد مندوں کا ایک طبقہ اٹھا اور اپنی نوخیز نسل کو پریشاں نظری سے بچانے والے نسخۂ شفا کی تلاش میں مصروف عمل ہو گیا۔ انہی بزرگوں کی پیہم جد و جہد کا ایک ثمرہ یہ گہوارۂ علم بھی ہے جسے آپ جامعۃ الفلاح کے نام سے جانتے ہیں۔

جامعۃ الفلاح نے اپنے عظیم مقاصد کی تکمیل کے لئے ایک نیا نصاب تعلیم مرتب کیا جو علوم جدیدہ و قدیمہ کا حسین امتزاج ہے اور دوسری جانب طلبہ کے دلوں میں اپنے تئیں علمی و اخلاقی تربیت کی ذمہ داری کے احساس کو اجاگر کرنے کے لئے ان کی ایک جمعیت جمعیۃ الطلبہ کے نام سے ۱۹۶۳ء میں قائم کی۔ یہی جمعیت دراصل طلبہ کی اصل تربیت گاہ ہے کیونکہ وہ اپنے فاضل اساتذہ کرام سے جن چیزوں کا سبق حاصل کرتے ہیں ان کی مشق کے لئے ساری سہولیات انکی جمعیت ہی انہیں فراہم کرتی ہے۔

اللہ کا فضل و کرم ہے کہ وہ پودا جسے چمن فلاح کے باغبانوں نے آج سے ۲۰ سال قبل اس گلشن میں لگایا تھا اپنے پھل پھول سے سارے گلشن کو زینت بخش رہا ہے اس اجتماع میں چمن فلاح کے جن گلوں کے رنگ و بو سے آپ ہمکنار ہوں گے وہ دراصل ہمارے مشفق اساتذہ کرام کے خون جگر سے آبیاری کا ثمرہ ہے جنکی شبانہ روز کی جد و جہد سے یہاں کا ذرہ ذرہ گوہر شب تاب ہے۔

جمعیۃ الطلبہ کے پیش نظر دراصل وہی مقاصد ہیں جو جامعۃ الفلاح کے پیش نظر ہیں اس کے جو مقاصد متعین کئے گئے ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) طلبہ کے اندر علمی استعداد پیدا کرنا (۲) حالات حاضرہ و عصری علوم کا تنقیدی مطالعہ
(۳) طلبہ میں تقریر و تحریر کی صلاحیت پیدا کرنا (۴) طلبہ کو علمی و عملی طور پر اسلام کا نمائندہ بنانا۔

ان مقاصد کے حصول کے لئے جمعیۃ الطلبہ نے اپنے جملہ امور چند شعبوں میں تقسیم کر دئے ہیں۔

(۱) شعبہ خطابت۔ طلبہ کی سہولت کے لئے درجہ وار ۲۳ گروپ بنا دئے گئے ہیں اس شعبہ کے تحت درج ذیل امور کی انجام دہی ہوتی ہے۔

(۱) ہفتہ وار جلسوں کا انعقاد (۲) ملکی و ملی اور علمی مسائل پر سمپوزیم و سمینار (۳)

توسیعی لکچرس کا اہتمام (۴) تقریری، موضوعاتی اور جنرل نالج کے مقابلے۔

(۲) شعبہ صحافت۔ موجودہ دور میں کسی بھی نظریے اور تحریک کو پیش کرنے کے لئے صحافت ایک مؤثر اور عام ہتھیار ہے۔ اسلامی نظام کو عام کرنا اور خدا کے بندوں تک اسلام جیسی عظیم نعمت کو پہنچانا ہماری اولین ذمہ داری ہے اسی احساس کے تحت یہ شعبہ کام کرتا ہے جس میں طلبہ درجہ وار انگریزی، اردو، اور عربی زبانوں میں اپنے ماہنامہ قلمی رسالے نکالتے ہیں۔

اردو زبان میں جو قلمی رسالے نکلتے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

ثانوی کا "آغاز" عربی اول کا "نجم السحر" عربی دوم کا "کہکشاں" عربی سوم کا "معیار" عربی چہارم کا "ارمغان فلاح" عربی پنجم تا ہفتم کا "الضیاء" اور انگریزی کا رسالہ عربی اول تا چہارم کا "MORNING STAR" اور عربی پنجم تا ہفتم کا "BECOMING LIGHT" کے نام سے نکلتا ہے۔ اسی کے تحت مطبوعہ شکل میں ایک سالانہ میگزین "الفلاح" کا بھی اجراء ہوتا ہے۔ جو چار زبانوں (عربی، اردو، ہندی اور انگریزی) پر مشتمل ہوتا ہے۔

(۳) لائبریری۔ درسی کتابوں کے ساتھ ساتھ غیر درسی مطالعہ علمی استعداد میں اضافہ کے لئے لازمی ہے اسی اہمیت کے پیش نظر ابتداء ہی سے جمعیۃ نے لائبریری قائم کر رکھی ہے ان دنوں دینیات، سیرت، تاریخ، ادب، سیاسیات و معاشیات، معلومات، ہندوازم اور فلسفہ وغیرہ جیسے اہم فنون پر اردو، انگریزی میں تقریباً چھ ہزار کتابیں موجود ہیں۔

لائبریری کو مزید استحکام بخشنے کے لئے ایک شعبہ قائم کیا گیا ہے۔ جو ملک کی بڑی لائبریریوں، مکتبہ خانوں، اور اشاعتی مرکزوں سے ربط پیدا کر رہا ہے اس شعبہ کے تحت حوصلہ افزا کام انجام پا رہا ہے۔ بہر کیف فی الحال لائبریری میں کتابوں کی قلت اس قدر ہے کہ آٹھ سو طلبہ کی تشنگی کم کرنے سے بھی قاصر ہے۔

(۴) رسائل و جرائد۔ ملکی، ملی اور بین الاقوامی معاملات اور اس جہان رنگ و بو کے تغیر و تحرک سے آشنا رہنے کا یہ شعبہ بہترین ذریعہ ہے جس کے تحت ملک و بیرون

ملک سے ہندی، انگریزی، عربی اور اردو میں اخبارات و رسائل منگوائے جاتے ہیں ان دنوں روزنامہ ۴، سہ روزہ ۶، ہفت روزہ ۲۰، پندرہ روزہ ۱۵، ماہنامہ ۲۵، سہ ماہی ۷، ششماہی ۲، منگائے جا رہے ہیں۔

(۵) شعبہ باغبانی۔ اسکے ذریعہ چمن فلاح کی آرائش و زیبائش کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

(۶) شعبہ صفائی۔ الطہارۃ نصف الایمان اس احساس کو جلا بخشنے کے لئے یہ شعبہ اپنے دائرہ کار میں جملہ امور بخوبی انجام دیتا ہے۔

(۷) شعبہ خدمت خلق۔ واللہ فی عون العبد ما کان العبد فی عون اخیہ۔ اس پاکیزہ جذبہ کے تحت طلبہ باہم دگر دکھ درد میں شریک رہتے ہیں یہ شعبہ طلبہ کو First aid اور اہم ضروریات کی تکمیل کے لئے سہولیات فراہم کرتا ہے ع

"یہی تھوڑی سی مے ہے اور یہی تھوڑا سا میخانہ"

ان سارے شعبہ جات کی ذمہ داری طلبہ ہی کے کاندھوں پر ہوتی ہے جو اپنے مشفق اساتذہ کرام کی رہنمائی میں جملہ امور انجام دیتے ہیں۔ ان تمام کے باوجود بہت سارے مراحل ابھی ایسے ہیں جن سے ابھی ہمیں گذرنا ہے۔ روز افزوں افرادی قوت میں اضافے کے باعث جمعیت اپنے محدود وسائل کے دائرے میں طلبہ کی علمی اور اخلاقی تربیت کے سلسلے میں بہت ساری دشواریاں محسوس کرتی ہے اور ظاہر ہے جب تک یہ دشواریاں راستہ چھوڑ نہیں دیتیں۔ ہمارے لئے منزل مقصود سے ہمکنار ہونا مشکل ہے۔ ہم نے آئندہ کے لئے جو منصوبہ ترتیب دیا ہے اس کے اہم نکات یہ ہیں۔

۱۔ جمعیۃ الطلبہ کی لائبریری میں اہم فنون کی کتابوں کے مکمل سیٹ کی فراہمی۔ (۲) ایک دار المطالعہ کا قیام (۳) مستقل ذرائع آمدنی (۴) مفید اور معیاری رسائل وجرائد کی آمد۔ (۵) ۲۵، ۲۶ نومبر ۹۳ء کو جمعیۃ الطلبہ کی جانب سے منعقدہ علوم القرآن سیمینار کے مقالوں کی کتابی شکل میں اشاعت

۲۔ ہمیں خدا کی ذات سے قوی امید ہے کہ اگر ہماری یہ ساری ضروریات پایۂ تکمیل تک پہونچ گئیں تو ہمارا یہ تعلیمی اور تربیتی انتظام زیادہ سے زیادہ بہتر ہو سکے گا۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے دین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین

اخبار علمیہ

مشتاق احمد فلاحی

خدا بخش لائبریری کی تفصیلی فہرست شائع

پٹنہ کے مشہور کتب خانہ خدا بخش لائبریری میں موجود عربی فارسی قلمی نسخوں و نادر کتابوں کی تفصیلی فہرست "محبوب الالباب" جس کو خدا بخش نے فارسی میں لکھا تھا۔ اب دوبارہ شائع ہو گئی ہے۔ اس کتاب میں تمام نادر و اہم کتابوں کا تفصیلی تعارف مع مصنفین و کاتبین کرایا گیا ہے جو اہل علم و تحقیق کے لئے ایک بیش بہا سرمایہ ہے۔

(ماہنامہ الاسلام دہلی جنوری ۱۹۹۴ء ص ۲۸)

عالم اسلام کا جغرافیائی انسائیکلوپیڈیا

عالم اسلام کی مشہور یونیورسٹی جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیۃ ریاض نے عالم اسلام کا ایک عظیم جغرافیائی انسائیکلوپیڈیا تیار کرنے کا بیڑہ اٹھایا ہے جو سترہ جلدوں پر مشتمل ہوگا اور ہر جلد میں بڑے سائز کے آٹھ سو تا ایک ہزار صفحات ہوں گے۔ سردست اس کی دو جلدیں تیار ہو چکی ہیں۔

(ماہنامہ حسامی حیدرآباد نومبر ۹۳ء ص ۵۳)

عربی اصطلاحات کی لغت

سعودی پریس ایجنسی کی ایک خبر کے مطابق امام محمد بن سعود اسلامک یونیورسٹی کا شعبہ تحقیقات اردو زبان میں استعمال ہونے والی عربی اصطلاحات پر ایک لغت تیار کر رہا ہے یہ لغت دس ہزار سے زائد مفرد الفاظ پر مشتمل ہوگی اور ساتھ ہی اس میں اردو زبان کے تعارف نیز قواعد پر ایک جامع باب ہوگا۔ لغت کی تیاری میں اس بات کا بطور خاص خیال رکھا گیا ہے کہ عربی سیکھنے والے اردو داں طبقہ کو کوئی مشکل پیش نہ آئے۔

(سہ روزہ دعوت نئی دہلی ۲۵، ۱۴ جنوری ۹۴ء ص ۷)

قرآن مجید کا منظوم اردو ترجمہ

لکھنؤ شیعہ ڈگری کالج کے مولانا محمد محسن صاحب نے ۸

ماہ کی مسلسل محنت سے یہ اہم منظوم ترجمہ کیا ہے۔ آپ شمس العلماء مولانا سید نجم الحسن کراروی کے پوتے ہیں۔ ۱۲ر جنوری ۱۹۹۴ء کو یہ منظوم ترجمہ انھوں نے اتر پردیش کے گورنر موتی لال ووہرا کو پیش کیا۔ (روزنامہ آواز ملک بنارس ۱۳ر جنوری ۱۹۹۴ء ص ۔)

اقبال ریویو کا مسجد قرطبہ نمبر

حیدرآباد۔ اقبال اکیڈمی کے رسالہ اقبال ریویو کا تازہ شمارہ شائع ہوگیا ہے ۴۱۴ صفحات پر مشتمل کمپیوٹر ٹائپ پر مطبوعہ اس خصوصی شمارہ میں اقبال کی نظم "مسجد قرطبہ" پر ماہرین اقبالیات کے تحسین و تجزیہ پر مبنی گیارہ مقالات شامل ہیں۔ (سہ روزہ دعوت نئی دہلی یکم جنوری ۱۹۹۴ء ص ۔)

ہندتو — ایک مطالعہ، ایک جائزہ

سہ روزہ دعوت نئی دہلی ۲۵ کی یہ خصوصی اشاعت ۱۰ر جنوری ۱۹۹۴ء کو منظر عام پر آئی ہے جو حالات حاضرہ کے تناظر میں انتہائی بیش قیمت پیش کش ہے۔ کچھ اہم عنوانات حسب ذیل ہیں

● ہندتو کیا ہے؟ نوعیت اور ہندو دھرم میں اس کا مقام ● ہندتو اور راشٹرواد ● ہندتو کے نعرے کی ضرورت کیوں پیش آئی ● ہندتو کی تحریک۔ پھیلاؤ کے اسباب ● ہندتو کی اہم کتابیں اور رسالے ● ہندتو کے شارحین۔ کچھ نمائندہ تحریریں ● ہندتو کا تعلیمی نصاب ● ہندتو۔ مذہبی پیشین گوئی کی سیاست ● ہندتو کا معاشی نظام ● ہندتو۔ خارجہ پالیسی میں دلچسپیاں ● ہندتو اور کمیونسٹ تحریک ● ہندتو اور قومی سیکولر لیڈرشپ ● ہندتو کا دائرہ اثر ● ہندتو۔ ملکی اور غیر ملکی دانشوروں کی آراء ● ہندتو کا طرز گفتار ● اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے رویہ ● ہندتو اور مہاراشٹر کی شیوسینا ● راشٹریہ سویم سیوک سنگھ۔ ایک مطالعہ ● ہندتو کے پسندیدہ مسلمان ● ہندتو۔ مراسلہ نگاری کا جدید فن۔

یہ ۲۱۲ صفحات پر مشتمل ہے اور قیمت ۲۵/- روپے ہے۔
(سہ روزہ دعوت نئی دہلی ۲۷ر دسمبر ۱۹۹۳ء ص ۴)

جامعہ سلفیہ میں شعبہ تدریب الدعاۃ والمعلمین کا آغاز

شوال ۱۴۱۴ھ سے جامعہ سلفیہ میں دعاۃ و معلمین کی تربیت کیلئے ایک سالہ کورس شروع کیا جا رہا ہے مدارس اسلامیہ کے فارغین میں سے جو حضرات مذکورہ تربیتی کورس سے دلچسپی رکھتے ہوں انہیں ماہ شوال سے قبل دفتر جامعہ سلفیہ سے رابطہ قائم کرنا چاہئے تاکہ نصاب و شرائط وغیرہ کی تفصیل معلوم ہو سکے۔ پتہ حسب ذیل ہے۔
دفتر جامعہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس (یوپی)

(نوائے اسلام دہلی جنوری ۱۹۹۴ء ص ۔)

محمد اسمٰعیل فلاحی

وفیات

مولانا عبید اللہ صاحب مبارکپوریؒ

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبید اللہ رحمانی صاحب مبارکپوری ۹۵ سال کی عمر میں ۵ر جنوری ۱۹۹۴ء بروز بدھ صبح ۷ بجے اپنے رب کریم کے جوار رحمت میں جا پہنچے۔ رب کریم مرحوم کی مغفرت فرمائے۔ ان کے عقیدتمندوں کو۔ اور ان میں ہم بھی شامل ہیں۔ ان ہی کی طرح حدیث کی خدمت کی توفیق دے آمین۔ انکی موت ملت کا زبردست خسارہ ہے اور ایسے وقت میں ہوئی ہے جبکہ ہر حلقہ میں رجال کار کی کمی کی شکایت زبان زد خاص و عام ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی غیب سے اسکی تلافی کا سامان فرما سکتا ہے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

آپ کی تصنیف کردہ یوں تو متعدد کتابیں ہیں لیکن ان میں مشکوٰۃ المصابیح کی عربی شرح مرعاۃ المفاتیح کو زیادہ قبول عام حاصل ہوا۔ آپ حدیث پر گہری نظر رکھنے والے ممتاز عالم دین اور مسلک اہل حدیث کے بزرگ رہنما تھے۔ اعتدال اور توسع آپ کی فطرت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ہر حلقہ میں قدر و منزلت اور ادب و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے اور اسی کا نتیجہ تھا کہ آپ مسلم پرسنل لا بورڈ کے نائب صدر بھی رہ چکے ہیں۔ حق پرستی اور بے باکی آپ کی نمایاں خصوصیت تھی۔ ایسے پرآشوب دور میں آپ نے جماعت اسلامی کی حمایت کی اور اس کے عقیدہ کو سلف کا عقیدہ ثابت کیا جبکہ جماعت کے خلاف فتووں کی باڑھ آئی ہوئی تھی۔ قدرت نے بڑا خلیق، مہمان نواز اور صفائی پسند انسان بنایا تھا۔ تقویٰ و طہارت اور زہد و ورع وصف خاص تھا۔ اور اس میں سلف صالح کا نمونہ تھے۔ کئی بار خدمت میں حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ نام و نمود اور تعلّی سے دور، اور انکسار و تواضع کا پیکر پایا۔ چہرہ پر مسکراہٹ بکھری ہوتی۔ پیرانہ سالی اور نقاہت کے باوجود اپنا کام خود سے کرتے۔ مل کر خوشی اور اپنائیت کا اظہار فرماتے۔ مولانا اختر احسن اصلاحی مرحوم اور مولانا ابواللیث اصلاحی ندوی مرحوم کیلئے کلمۂ خیر بار بار سنا۔ جامعۃ الفلاح اور اسکے

اساتذہ سے تعلق خاطر تھا۔ جامعہ کے اساتذہ بھی ان سے محبت کرتے اور خدمت میں حاضر ہوتے رہتے۔ استاذ گرامی مولانا عبد الحسیب صاحب اصلاحی، مولانا ابو بکر صاحب اصلاحی اور مولانا محمد عنایت اللہ صاحب سبحانی کو ان سے خصوصی قربت تھی۔ مولانا محمد عنایت اللہ صاحب سبحانی کی کتاب "مجاہد کی اذان" پر حضرت محدث مبارکپوریؒ کے قلم سے گرانقدر تقریظ ان کی اپنائیت اور شفقت کا مظہر ہے۔ جنازہ میں انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا۔ امتحان کی مشغولیت اور تنگیٔ وقت کے باوجود جامعہ سے دو بسوں میں بھر کر اساتذہ و طلبہ جنازہ میں شرکت کے لئے پہونچے۔ ان جانے والوں میں انجمن طلبۂ قدیم کے سکریٹری اور دوسرے ذمہ داران بھی تھے۔

ادارہ "حیات نو" اپنے گہرے رنج و غم کا اظہار کرتا ہے اور امید رکھتا ہے کہ ان کے ورثاء اور متعلقین ان کے ادھورے کاموں کو تکمیل تک پہنچائیں گے۔

مولانا محب اللہ صاحب لاری ندویؒ

ایک دوسرا بڑا سانحہ مولانا محب اللہ صاحبؒ لاری کی ندوی ایم اے علیگ مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء کی وفات ہے۔ ۲۳ر نومبر ۱۹۹۳ء کو جمعیت کے سمینار کے افتتاح کے لئے مولانا محمد شہباز صاحب اصلاحی کو لانے ندوہ گیا تھا۔ معلوم ہوا مولانا محب اللہ صاحب لاری سخت بیمار ہیں اور اسپتال میں ہیں۔ عیادت کی خواہش ہوئی۔ زندگی کا کیا بھروسہ۔ ان کے لڑکے جناب اشتیاق احمد صاحب لاری نے از خود اپنے چھوٹے صاحبزادہ کو میرے ساتھ کر دیا۔ جزاہ اللہ۔ اسپتال پہونچا، دیکھا بیماری کا حملہ شدید تھا اور وہ انتہائی سخت تکلیف میں تھے۔ غشی کی کیفیت تھی۔ سرہانے کھڑا سوچتا رہا، کتنا بے بس اور مجبور ہے یہ انسان اور یہ ہے انسان کی بساط۔ اتنے میں مولانا محمد رابع صاحب تشریف لائے۔ آواز دی، خیریت پوچھی۔ انہوں نے آنکھ کھولی اور بمشکل تمام کہا کہ اللہ کا فضل ہے اور بالآخر اسی حالت میں چند روز کے اندر توکل اور رضا کا پیکر اپنے رب سے جا ملے۔

محترم مولانا محب اللہ صاحبؒ بھی ان علماء میں تھے جن کے یہاں مسلکی اور گروہی تشدد نہیں پایا جاتا۔ ان کے ایک صاحبزادے جماعت اسلامی ہند کے رکن بھی ہیں۔ ان

سے میرے تعلق کی وجہ ان کی بزرگی، کشادہ ظرفی اور دعوت اسلامی سے لگاؤ کے علاوہ یہ بھی ہے کہ وہ میرے دادا جناب مولانا حافظ عبد الشکور صاحب ندوی مرحوم کے کلاس فیلو اور بے تکلف احباب میں تھے۔ ندوہ میں بھی اور علی گڑھ کے زمانہ طالب علمی میں بھی۔

دار العلوم ندوۃ العلماء کی انہوں نے بڑی خدمت کی ہے۔ ان کے اہتمام میں ندوہ آگے بڑھا ہے۔ ان کے بارے میں یہ بات اطمینان سے کہی جا سکتی ہے کہ انہوں نے دین کو دنیا کے حصول کا ذریعہ نہیں بنایا۔ ایک قلندر کی طرح رہے اور اسی حالت میں اپنے رب سے جا ملے۔ اللھم اغفر لہ وارحمہ

محترمہ جویریہ خاتون صاحبہ

۱۲ر دسمبر ۱۹۹۳ء شب میں دس بجے ململ، مدھوبنی سے ایک فون آیا "آج ساڑھے پانچ بجے شام امی کا انتقال ہو گیا" دوسری جانب عزیزی اکرام الرحمن سلمہ سکریٹری جمعیۃ الطلبہ جامعۃ الفلاح تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون نکلا۔ سوچا یہ کس کی موت ہے؟ محترمہ جویریہ خاتون مہ جبیں صاحبہ، ایک صابرہ شاکرہ اور اپنے رب کی وفادار بندی کی موت، جس نے اب سے بہت پہلے اپنے رب سے پیمان وفا باندھا تھا، آخر تک اس پر قائم رہی۔ لو، یہ روشن باب بھی اب بند ہوا۔ یہ شمع بھی اب بجھی۔ اپنی ساری زندگی اللہ کی اطاعت و بندگی اور دعوت و اصلاح میں لگا اور گھلا کر اپنے رب کے حضور نقد جاں کا نذرانہ لئے حاضر ہو گئیں۔ ۱۹۵۷ء میں ان کی کوششوں سے اصلاح معاشرہ کیلئے ان کے علاقہ میں ایک انجمن "انجمن اصلاح خواتین" کا قیام عمل میں آیا تھا۔ یہ جماعت اسلامی ہند کی رکن اس زمانہ میں بنیں جبکہ خواتین میں ارکان کی تعداد بس چند تھی۔ قرآن کو سمجھ کر پڑھنے کی کوشش کی تھی اور پورے تحریکی لٹریچر کا مطالعہ کر رکھا تھا۔ خواتین کے اجتماعات میں درس قرآن و حدیث دیتیں اور تقریریں کیا کرتیں۔ ادھر ایک لمبے عرصہ سے بیمار چلی آ رہی تھیں۔ جب تک صحت نے ساتھ دیا، اپنے علاقہ کی خواتین کی ناظمہ رہیں۔ بعد میں بھی اپنی بیماری اور ضعف کے باوجود خواتین کی تربیت اور جماعت کے کاموں کی نگرانی کرتی رہیں۔ ان کے شوہر جناب ضیاء الرحمن (مطیع الرحمن احقر صاحب ایم اے کے چھوٹے بھائی) نے بھی ان کاموں کے لئے انہیں فارغ کر رکھا تھا۔ ہر وقت آخرت کی فکر اور رب سے

ملاقات کا خیال انکی خوبی تھی ۔ جناب ضیاء الرحمٰن صاحب کا کہنا ہے کہ جب بھی کسی کام کی وجہ سے مسجد پہونچنے میں مجھے تاخیر ہو جاتی اور جماعت چھوٹنے کا اندیشہ ہوتا تو محسوس ہوتا کہ انہیں بے چینی ہو رہی ہے ۔ انہیں اس سے دلی تکلیف ہوتی ۔ صحت کے انتہائی گر جانے کے باوجود کوشش کرتیں کہ اجتماعات میں شریک ہوں ۔ گھر والوں کو بھی توجہ دلاتیں ۔

وفات کے وقت وصیت کی تو یہ کی کہ فلاں فلاں وقت کی نماز چھوٹ گئی ہے ۔ اب پڑھنا ممکن نہیں ، انکی طرف سے صدقہ کر دیا جائے ، اور مزید اتنی رقم فلاں اور فلاں اداروں میں دے دی جائے ۔

وہ شمع اب بھی روشن ہے جس کو جلانے کی انہوں نے کوشش کی تھی ۔ ہم انکے بیٹوں ، بیٹی اور گھر کے سارے افراد سے امید رکھتے ہیں کہ وہ اسکی لو کو تیز سے تیز تر کرنے کی کوشش کریں گے ۔ فکر آخرت ان کا اصل جوہر تھا ، یہ ان کے سامنے ہمیشہ رہے گا ۔ یہی دراصل محبت کا صحیح طریقہ ، بہترین خراج تحسین اور مرحومہ کے حق میں صدقہ جاریہ ہے ۔ اللہ ہمیں توفیق دے ۔

جناب حاجی بھیک اللہ صاحبؒ

جامعہ کی شاخ جامع العلوم سنبھلی ، ڈومریاگنج ، سدھارتھ نگر کے ناظم جناب حاجی بھیک اللہ صاحبؒ ۲ ر دسمبر ۹۲ء کی شب اس دنیائے فانی سے رحلت فرما کر مالک حقیقی سے جا ملے ۔ مرحوم طلبہ و اساتذہ کے بڑے خیر خواہ اور ان سے شفقت و محبت کا معاملہ فرماتے ۔ جامع العلوم کے قیام میں انکا بنیادی رول رہا ہے ۔ اللہ تعالیٰ انکے عمل کو شرف قبولیت بخشے اور جنت میں جگہ دے ۔

غزل

ایم ۔ اے شمسی دوگھروی

استاذ مدرسہ بیت العلوم ۔ دیگھیارہ ، دربھنگہ

کبھی مسکرا کے دیکھا کبھی تیر دل پہ مارا
یہ تھا ظرف میرا میں نے تجھے کر لیا گوارا

ترے در سے تو غنیمت ہے یہ مسجدوں کی چوکھٹ
مری جاں بے بسی کو آخر کہیں مل گیا سہارا

گلہ ناخدا سے کیسا یہ خدا کی تھی خدائی
جہاں دل کی کشتی ڈوبی وہیں پاس تھا کنارا

کہیں مسجدوں پہ حملہ کہیں خون بے گناہی
ذرا دیکھ تو بھی دنیا مرے دیس کا نظارا

مرے حوصلے سے طوفاں کے کٹے ہیں ہاتھ شمسی
مرے دشمنوں نے سمجھا ہے موت کا اشارا

محمد اسماعیل فلاحی

جامعہ کے لیل و نہار

نتیجہ امتحان ٹیچرس ٹریننگ کیمپ

اتر پردیش فلاح عام سوسائٹی کی جانب سے یکم تا ۲۰ ر ستمبر ۹۲ء جامعۃ الفلاح میں منعقد ہونے والے ٹیچرس ٹریننگ کیمپ میں برادر مکرم جناب جمیل احمد صاحب فلاحی استاذ جامعۃ الفلاح نے فرسٹ ڈویژن اور فرسٹ پوزیشن ، جناب شمس جاوید صاحب فلاحی لگرالہ ، بدایوں نے فرسٹ ڈویژن اور سیکنڈ پوزیشن ، اور جناب مشتاق احمد صاحب فلاحی ، استاذ جامعۃ الفلاح نے فرسٹ ڈویژن اور تھرڈ پوزیشن حاصل کی ہے ۔ واضح رہے کہ اس کیمپ میں فلاحی اور غیر فلاحی اساتذہ کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی تھی ۔

سالانہ امتحان

۹۳-۱۹۹۲ء کا سالانہ امتحان شروع ہو چکا ہے ۔ کئی پرچے گذر چکے ہیں ۔ ملحقہ مدارس کے آخری درجات کے طلبہ اپنے اساتذہ کے ساتھ امتحان کے لئے جامعہ آئے ہوئے ہیں ۔ سدھارتھ نگر کے ملحق مدارس کے امتحانات کی نگرانی کے لئے جامعہ سے جناب مشتاق احمد صاحب فلاحی تشریف لے گئے ہیں ۔

یہ امتحان ۲ ر جنوری ۱۹۹۳ء یکشنبہ کو ختم ہوگا ۔ ۵ ر فروری ۹۳ء تک نتائج تیار کر لئے جائیں گے ۔ اور ۲۴ ر شعبان ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۷ ر فروری ۹۳ء سے تعطیل کلاں کا آغاز ہوگا ۔ دوبارہ جامعہ ۸ ر شوال ۱۴۱۳ھ مطابق ۲۱ ر مارچ ۹۳ء دوشنبہ کو کھل جائے گی ۔ ہماری یہ روایت رہی ہے کہ روز اول سے تعلیم کا آغاز ہو جاتا ہے ۔ طلبہ کے سرپرستوں سے ہم امید رکھتے ہیں کہ وہ اپنے بچوں کو وقت پر جامعہ بھیج کر جامعہ کے ساتھ تعاون فرمائیں گے ۔

نیا تقرر

ثانوی درسگاہ رام پور کے فارغ جناب محمد اکرم بارودی صاحب کا تقرر انگریزی

کے استاذ کی حیثیت سے عمل میں آیا ہے۔ موصوف بارو، بیگوسرائے، بہار کے رہنے والے ہیں۔ اور تحریک اسلامی کے ان بزرگوں میں ہیں جنھوں نے عصری درسگاہوں کو قتل گاہ سمجھ کر اپنے کو ان سے وابستہ رکھنا گوارا نہ کیا اور پھر ثانوی درسگاہ رامپور سے دین کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔

دفتر نظامت میں دوبارہ جناب محمد افضل احمد صاحب ایم اے بی ایڈ کی خدمات حاصل ہو گئی ہیں۔ موصوف ہزاری باغ بہار کے رہنے والے ہیں۔

انتظامیہ کا اجلاس حسب معمول مجلس منتظمہ جامعۃ الفلاح کا سالانہ اجلاس ۲۰ اور ۲۱ جنوری ۱۹۹۴ء بروز جمعرات اور جمعہ ہونا طے پایا ہے اس کے قبل ۱۹ جنوری ۱۹۹۴ء سے تعلیمی کمیٹی کی نشستیں ہوں گی جو ۲۰ جنوری ۱۹۹۴ء تک جاری رہیں گی۔

فلاحی برادران کو صدمہ جناب جرار احمد صاحب فلاحی بھادا پور، اعظم گڑھ استاد جامعۃ الفلاح کے والد محترم جناب منیر احمد صاحب ۲ جنوری ۱۹۹۴ء بروز اتوار انتقال فرما گئے۔ مرحوم نے پوری عمر ملیشیا میں گزار دی، ادھر چند سالوں سے مستقل گھر پر آ گئے تھے۔ دو ماہ سے مستقل بیمار تھے۔

۱۰ جنوری ۱۹۹۴ء کو جناب بدیع الزماں فلاحی مرحوم منگئی پور اعظم گڑھ کی والدہ محترمہ اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ مرحومہ جامعہ کے قدیم استاد جناب ماسٹر محمد ادریس صاحب مرحوم کی اہلیہ تھیں۔

ہمیں ان دونوں سانحوں پر افسوس ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔

حاجی عبد[illegible] صاحب
ناظم جامعۃ الفلاح

بہی خواہان جامعہ کی خدمت میں

آج کے طوفانی دور میں جب کہ ہر طرف مادیت کی یلغار ہے اور اخلاقی قدریں روبہ زوال ہیں، اسلام پر ہر طرف سے حملے ہو رہے ہیں اور ملت اسلامیہ کو مختلف قسم کے چیلنجوں کا سامنا ہے، ایسے پر آشوب دور میں "جامعۃ الفلاح" ان چیلنجوں کا ایک پر عزم جواب ہے جہاں مسلمان بچوں اور بچیوں کی اس انداز سے تعلیم و تربیت کی جاتی ہے کہ ان کے اندر کتاب و سنت کا گہرا علم پیدا ہو اور اسلامی اخلاق و کردار سے آراستہ ہوں، عصر حاضر کے افکار و نظریات سے واقفیت ہو اور ان کے اندر احیائے دین و شہادت حق کا ایسا جذبہ پیدا ہو کہ وہ وسعت قلب و نظر کے ساتھ معاشرے کی اصلاح اور دعوت اسلامی کے لئے اپنی صلاحیتوں کو وقف کر سکیں۔

نیچے جامعہ کے نمائندوں اور ان کے حلقہ کار کی فہرست دی جا رہی ہے۔ براہ کرم بہی خواہان جامعہ ان کے ساتھ اپنی دلچسپیوں اور ہمدردیوں کا ثبوت دیں۔

(۱) جناب مولانا نعیم الدین صاحب اصلاحی	حیدرآباد (آندھرا)
(۲) ” وحید الدین صاحب	
(۳) ” حافظ محمد اسماعیل صاحب فلاحی	کیرالا، کرناٹک، تاملناڈو، مدراس، بنگلور
(۴) ” جاوید سلطان ”	
(۵) ” ماسٹر محمد اکرم صاحب	کلکتہ، آسنسول، بردوان، بیگوسرائے، پٹنہ، بھاگلپور
(۶) ” منشی سہیل احمد صاحب "سفیر جامعہ"	رامپور، بدایوں، بریلی، علیگڑھ، آگرہ، کانپور، بنارس وغیرہ

(۱) جناب مولانا امیر فیصل صاحب فلاحی (۲) 〃 انفعال الحسن صاحب ندوی	کرلا، ساکی ناکہ، گھاٹ کوپر، کرولی، بھانڈوپ، گونڈی، چمبور، مرول ناکہ، جیرانی روڈ، چکالہ، شیواجی نگر، جنگیں واڑی، اسمٰعیلی واس، واکولہ
(۱) جناب نذر تاج احمد صاحب (۲) 〃 شکیل احمد صاحب	بھیونڈی، کلیان، دھاریا، مالیگاؤں، ناسک، کسارہ۔
(۱) جناب حاجی اخلاق احمد صاحب (۲) 〃 ماسٹر حبیب صاحب	ستارہ، ڈونگری، پاڑے، روہا، داوری، مہاڈ، باندرہ، ماہم، کرلا روڈ، ہم، اندھیری، جوگیشوری، گورے گاؤں، کاندیولی، گنیش نگر، جاوید نگر، بوریولی
(۱) جناب ماسٹر عبدالمالک صاحب (۲) 〃 〃 محمد خالد صاحب	مدنپورہ، بائکلہ، بھنڈی بازار، پیری محلہ، گرانٹ روڈ، بمبئی سنٹرل، سات راستہ، ڈونگری، دادر، ٹیکری، کاتی پورہ، جوگی محلہ، چمبور، شیر شاہ، بچے بیچ، باسٹین، دوٹانکی، جیراب گلی، مومن پورہ، بدلو پورہ، کاٹن گرین۔
(۱) جناب مولانا جمیل احمد صاحب فلاحی	دہلی، [illegible] آباد
(۱) جناب مولانا اظہار احمد صاحب فلاحی (۲) 〃 ماسٹر منور علی صاحب	راجستھان
(۱) جناب حافظ احسان الحق صاحب فلاحی	مدور، [illegible]
(۱) جناب مولانا رفیق الاکرم صاحب سفیر جامعہ	سنبھل، بدایوں، گلزار، مراد آباد، احمد آباد، دہلی، گجرات
(۱) جناب مولانا مشتاق احمد صاحب فلاحی (۲) 〃 قاری عطاء اللہ صاحب	جلگاؤں، بھساول، برہانپور، ملکاپور، جالنہ، اکولہ، اورنگ آباد۔
(۱) جناب عالمگیر صاحب سفیر جامعہ	ناگپور، جبل پور، سیونی، چھندواڑہ، آکری، عمرہ، کلکتہ

(۱) جناب ماسٹر نظام الدین صاحب	گورکھپور، بستی، گونڈہ، بہرائچ، سدھارتھ نگر وغیرہ
(۱) جناب مولانا عبداللطیف صاحب اصلاحی (۲) 〃 جواد احمد صاحب فلاحی	مئو، کوپاگنج، ادری، دوہری گھاٹ، اندارا، گھوسی وغیرہ۔
جناب محمد محسن صاحب (سفیر جامعہ)	فیض آباد، ٹانڈہ، سلطانپور وغیرہ
(۱) جناب ماسٹر ہارون رشید صاحب (۲) 〃 مولانا ابوبکر صاحب اصلاحی (۳) 〃 ماسٹر علی انور بیگ صاحب	مرزاپور، اورائی، بھدوہی، بادشاہ پور، مڑیاہوں، الہ آباد، بروارہ، سرائے عاقل، کپتان پور، مئوآئمہ، گڑھوا، لکھونا، پھولپور، چرک، چنار، رابرٹس گنج، بندھیا چل، سرائے میر، انجاری، رسول پور، برقی، چاند پٹی، مہراج گنج، کرمینی، فتح پور، رونا پار، مون بھنجن، سمرو، بازار، بھکت، رکھیو پور، گیتان گنج، اترولیا، جوڑا، جمن پور، بیل
(۱) جناب حافظ ارشاد احمد صاحب	مدھناپار، دوری، انجان شہید، دیوا پار، بانکا جمن پور، عظمت گڑھ، ٹکریا
(۱) جناب حافظ ریاض احمد صاحب فلاحی (۲) 〃 مولانا عرفان احمد صاحب فلاحی	بنکٹی پور، علاؤالدین پٹی، چیراغ پور، بندوبلہ، جگدیش پور، گلوان، تقسیر پور، خالص پور، سنجر پور، محی الدین پور، تحفہ پور، بھاوا پور، اترنجوا، پھولپور، محمد پور، ملکٹ، بلیا، ڈھکوا۔
جناب ماسٹر محمد حنیف صاحب	چلکی، ابراہیم پور، چاند پار، ظہیر الدین پور، مبارکپور، شاہ پور، اہروی
(۱) جناب سراج احمد صاحب (سنوال)	اعظم گڈھ شہر۔
(۱) جناب مولانا محمد عمران صاحب فلاحی (۲) 〃 محبوب عالم صاحب فلاحی (۳) 〃 عرفان شاہ صاحب	بڑیا گنج